صبح وطن، پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی بی۔اے ایل ایل بی عہد جدید کے ممتاز شاعر ہین، انھون نے گذشتہ سالون مین ملک کے مختلف سیاسی واقعات پر جو نظمین لکھی ہین، صبح وطن کے نام سے انکا یہ مجموعہ شایع ہوا ہے، چکبست نے اپنی شاعری کی بنیاد ان اصولون پر قائم کی ہے جو آجکل لکھنؤ کے جدید العہد شعراے اردو نے اپنی قومی نظمون کے لئے عموماً قائم کئے ہین، یعنی یہ کہ شاعری کے قدیم محاورون، استعارات وکنایات کے پرانے اسالیبِ کلام کے ذریعہ سے قومیات وسیاسیات کے جدید مسائل کی تعبیر، اور جا بجا اسمین تغزل کے رنگ کی آمیزش، یقیناً یہ طریقۂ گفتار مولانا حالی کے سادہ اور معریٰ بیان سے زیادہ دلکشی کا سامان رکھتا ہے، پنڈت صاحب کا کلام اسی لئے نظر استحسان سے دیکھا جاتا ہے، اور دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، ضخامت ۴۵ صفحہ، لکھائی، چھپائی متوسط، قیمت ۸، پتہ: مینجر ہندوستانی پریس، نظیر آباد، لکھنؤ،

دیوان حسرت، مولوی حسرت موہانی کا چوتھا مجموعۂ کلام جو ایک زندانی کی زبان وقلم سے نکلا ہے، چھپکر شایع ہوا ہے، اس مجموعہ کی ضخامت گو صرف ۸۰ صفحہ ہے، لیکن قدرشناسان زبان اُردو اور گرفتاران محبت اسیران اسلام کی آزمائش کے لئے (۳) قیمت مقرر کیگئی ہے، ایک وہ وقت تہا کہ ہمارے امرا، حریص شعراء کا منہ موتیون سے اور دامن اشرفیون سے بھر دیتے تھے، آج کیا کہ ایک بے پروا قومی شاعر کا کلام چند پیسون مین نہین خرید سکتے،

پتہ: دفتر انجمن نظر بندان اسلام فتحپوری، دہلی،

عدد دوازدہم	ماہ شعبان ۱۳۳۶ھ مطابق جون ۱۹۱۸ء	مجلد دوم

مضامین

ضروری اطلاع

اس نمبر پر معارف کی دوسری جلد تمام ہوجاتی ہے، جن اصحاب کو شروع سال یعنی جولائی ۱۷ء سے پرچے پہنچ رہے ہین، اس نمبر پر انکا سال تمام ہوجائیگا، اور آئندہ پرچہ اُنکے نام وی پی مرسل ہوگا،

اکثر اصحاب کسی مجبوری سے اپنا وی پی ڈاکخانہ مین امانت رکھوا دیتے ہین یا ڈاکیہ سے کہتے ہین کہ ایک دو دن کے بعد لانا، اور وہ پھر ڈاکخانہ سے دوبارہ خود نہین منگواتے، وی پی کا پیکٹ دن گذرنے پر واپس آجاتا ہی اسلئے خبردار رہنا چاہیئے کہ وی پی دوبارہ ڈاکخانہ سے منگانا، ڈاکخانہ کا نہین بلکہ آپکا فرض ہی، پرچے زیادہ اسی بے اصولی کے سبب واپس آتے ہین اور دفتر او خریدار دونون کو اسکے سبب سے تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔

مینیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

مجوزہ سلطانیہ کالج کے شاہی ارکین، اور زیر تجویز اسلامیہ کالج کلکتہ کے پرجوش حامیون نے یہ سنا کہ پنجاب کے ایک ضلع مین آریہ ہندوؤن نے بغیر غور وفکر دورہ وتجاویز وغیرہ (؟) کے صرف ایک ہفتہ مین ایک انگریزی کا کالج بنا کر کھڑا کردیا،

مشہور بانکی پور کے بھی تمام نامور لیڈر اور روسا ایک اسلامی تعلیمی کانفرنس اور ایک اسلامیہ کالج کے قیام کی تجویز سمجھ رہے ہین، خدا نکرے کہ وہ سمجھ جائین، ورنہ عظیم الشان صوبہ بہار مین اس سے جو تعلیمی انقلاب پیدا ہوجائیگا اسکو کون سنبھال سکیگا،

ہمارے چھوٹے سے ضلع (اعظم گڈھ) مین چار مہینے کے اندر ایک گریجویٹ سنیاسی نے ہندوؤن سے چند تعلیمگاہین قائم کرادین جنمین ایک ہائی اسکول ہی، ہائی اسکول ایسے مقام پر قائم ہوا ہے، جہان مسلمانون کی تعداد سب سے زیادہ اور ہندوؤن کی تعداد کمتر ہے؟ ہماری قوم کے فن کثرت وقلت تعداد کے ماہرین کیا اسکا فلسفہ بتا سکتے ہین؟

مشہور فلاسفر برکلے کے فلسفہ کو اردو مین منتقل کرنیکی دار المصنفین کی طرف سے جو

کوشش ہو رہی تھی، اسکے متعلق تین کتابین اسوقت تک مرتب ہو چکین، اول برکلے اور اسکا فلسفہ، دوم مبادی علم انسانی، سوم مکالمات برکلے، پہلا نمبر مکمل تیار ہے دوسرا اور تیسرا نصف چھپکر مکمل ہوگیا ہے،

ہندوستان کے تمام موقت الشیوع مطبوعات نے اپنا ولایتی پیراہن (کاغذ) اتار کر دیسی لباس پہن لیا، لیکن ہم نے ابتک وضعداری بناہی، اور اپنی "سفید پوشی" کی شرم رکھی، اور آیندہ بھی اس عہد پر قائم رہنے کا ارادہ ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قیصر کی جہانسوز اور عالم خراب جنگ نے ہماری ہمت کو تو نہین، لیکن کاغذ فروشون کی ولایتی تجارت کو یقیناً شکست دیدی، شاید اسکا نتیجہ یہ ہو کہ ہمکو "دلیل جبری" سے ناچار ہوکر سودیشی تحریک کی عملی شکل معارف کے صفحات مین پھیلانی پڑے، یعنی دیسی کاغذ لگانا پڑے،

اس مہینہ ہماری قوم کے ایک اور فاضل نے داغ مفارقت دیا، یعنی جناب مولوی عبد الغنی صاحب وارثی عظیم آبادی نے، مرحوم عربی کے فاضل اور انگریزی کے عالم تھے انھون نے عربی کتابین ختم کرکے اسوقت علیگڈھ کے مدرسۃ العلوم مین انگریزی پڑھی جب وہ ایک اسکول کا جھوپڑا تھا، انگریزی تعلیم کے بعد انھون نے بانکی پور مین اخبار نویسانہ زندگی اختیار کی، پھر حیدرآباد گئے اور مترجمی کے عہدے پر ممتاز ہوئے، اور آخر رفتہ رفتہ اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل سرکار حیدرآباد ہوئے، حیدرآباد مین وہ اس بزم کے ممبر تھے جسکے صدر نشین علامہ شبلی اور مولوی عزیز مرزا مرحوم تھے، چند مہینہ ہوئے کہ پنشن پاکر خانہ نشین ہوئے تھے کہ دفعتہً ۱۶ جون ۱۹۱۸ء کی شب کو درد سینہ سے وفات پائی۔

مرحوم کو اخلاق وتصوف سے فطری ذوق تھا، اسی لئے انکی تصنیفات زیادہ تر اسی موضوع پر ہین، بوذاسف وبلوہر جو اصل مین ایک ہندی زاہد بودھ کا قصہ ہے، مسلمانون کے عہد عروج مین اسکا عربی مین ترجمہ ہوا تھا، پھر کلیلہ دمنہ کی طرح وہ دنیا کی اکثر زبانون مین اس سے منتقل ہوا، مولویصاحب مرحوم اسکا اردو مین نہایت عمدہ ترجمہ کرکے ہندوستان کی کھوئی ہوئی دولت کو پھر ہندوستان واپس لائے، یہ قصہ اسقدر پر اثر اور ہندی تمثیلات سے اسقدر مملو ہے کہ شبہہ ہوتا ہے کہ کیا موجودہ انجیل اسی سے ماخوذ ہے، عربی مین اخلاق کی ایک اور چھوٹی سی کتاب ہندوشاہ کی "الکلم الروحانیہ فی الحکم الیونانیہ" ہے مرحوم نے اسکو بھی اپنی زبان مین منتقل کیا، امام شعرانی کی اولیاء اللہ کے حالات مین ایک مستند ضخیم کتاب عربی مین ہے، اسکا بھی نعمت عظمیٰ کے نام سے اردو مین ترجمہ کیا عربی کی الف لیلہ اور ابن شداد کی سیرۂ صلاح الدین کا ترجمہ بھی انھون نے بعض امراے دکن کی فرمایش سے لیا تھا لیکن شایع نہوا، آجکل رسالہ الناظر مین (شاید لین پول کی) انگریزی تاریخ اسپین کا نہایت صحیح ترجمہ (برعایت اسماے عربی) شایع ہو رہا ہے، پچھلی بار جب مولویصاحب سے وطن مین ملنے کا اتفاق ہوا تو فرماتے تھے کہ اب اس فرصت مین امام شعرانی کی لائف پوری کرونگا، افسوس کہ خود انکی لائف پوری ہوگئی،

ہمارے دوست مولوی عبدالماجد بی۔اے "جوگردش روزگار" سے عثمانیہ یونیورسٹی کے تعلق سے حیدرآباد دکن مین مقیم ہین، آجکل دکن اور ہندوستان کے اخبارات مین انکے متعلق متضاد مضامین چھپ رہے ہین، دکن کے ایک دو اخبار مصر ہین کہ "فلسفۂ اجتماع" کا مصنف بے شبہہ کافر ہے، اور ہندو اخبارات اس بنا پر کہ نیو انڈیا مین انھون نے ہندی کے

مقابلہ مین اردو کا لم کا مطالبہ کیا ہے، انکو "متعصب مسلمان" کا خطاب دیتے ہین، اسی مقام پر پہنچکر یہ رتبہ ملتا ہے،

تو کہے گبر مجھے، گبر مسلمان مجھکو!

مولوی حاجی معین الدین صاحب رفیق دارالمصنفین جنکے مضامین اکثر معارف مین شایع ہوا کرتے تھے، اور جو کچھ دنون سے کتبخانۂ ندوہ کی ترتیب وتدوین فہرست کی خدمت انجام دے رہے تھے، خوشی کی بات ہے کہ اب بنگال رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے ریسرچ مولوی کی حیثیت سے انکی خدمات حاصل کرلئے ہین، ہمکو امید ہے کہ حاجی صاحب موصوف اپنے علمی افادات سے جبکہ وہ ہندوستان کے بزرگترین ذخیرۂ کتب پر قابض ہین، شائقین کو بہرہ اندوز کرتے رہین گے، سیر الصحابہ کا جو حصہ انکے متعلق تھا، اسکی تالیف وہان بھی جاری رکھین گے، اور دارالمصنفین سے بھی انکا روحانی اور علمی تعلق انشاء اللہ ہمیشہ باقی رہیگا، اسلئے اس ظاہری انقطاع کیلئے ہمکو ملول نہونا چاہیے،

اخبارات سے معلوم ہوا ہوگا کہ اعلیٰحضرت فرمانرواے دکن خلد اللہ ملکہ نے جناب مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کو معین المہامی امور مذہبی کی خدمت کے لئے منتخب فرمایا ہے جناب موصوف، اجون کو حیدرآباد پہنچگئے، اب وہ ایک عربی درسگاہ (نظامیہ) کے صدر اعظم، عربی زبان کے سب سے بڑے دارالاشاعہ (دائرۃ المعارف) کے ناظم اعلےٰ، مجلس اشاعت علوم و فنون کے رئیس اکبر، اور کل قلمرو حکومت دکن کے شیخ الاسلام ہین، جناب موصوف کو ہندوستان مین مسلمانون کے امور مذہبی کی اصلاح وترقی مین جو بےبسی نظر آتی تھی، امید ہے کہ دکن کی فی الجملہ اختیارانہ حیثیت انکو حقیقی کام کرنیکا موقع دیگی،

مقالات

ہندوؤن کی علمی اور تعلیمی ترقی مین مسلمانون کی کوششین

(۲)

گذشتہ نمبر مین جو کچھ کہا گیا وہ جنوبی اور شمالی ہندوستان اور کشمیر کے متعلق تھا، اس نمبر مین اس خطۂ ہند کے متعلق ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہین جو آج ہندوستان کا سرتاج اور مایۂ فخر و ناز ہے، یعنی **بنگال**!

بنگالی زبان آج اپنی ثروت اور تمول کے لحاظ سے تمام ہندوستان کی زبانون مین سب سے زیادہ دولتمند ہے، لیکن یہ سنکر تعجب ہوگا کہ اسکی ترقی کا آغاز بنگال مین مسلمانونکی ابتداے حکومت سے ہوتا ہے، اس سے پہلے یہ زبان کاغذ کے ایک صفحہ کی بھی مالک نہ تھی، بنگالی زبان کی سرسبزی اور شادابی کی آج دہوم ہے، لیکن مسلمانون سے پہلے اس زمین مین ایک تخم بھی بویا نہ گیا تھا،

اس دعوی کے ثبوت مین ہم اپنی تحقیقات کے بجاے، ایک فاضل بنگالی مورخ کی تاریخ "ترقی علوم در ہندوستان" کے چند اقتباسات پیش کرتے ہین،

"سلاطین بنگال کی کوششین صرف مسلمانون کی تعلیم کی ترقی تک محدود نہین ہین، کیونکہ انھون نے اپنی دیرینہ بیدار مغزی کو ایک نئے راستہ پر علوم کو ترقی دینے مین جسکے ساتھ بنگالی بولنے والے لوگون کو خاص طور سے دلچسپی ہونا چاہیئے، متوجہ کیا، ان لوگون کو یہ بات بے جوڑ معلوم ہوگی کہ انکی زبان اپنے علمی سطح تک پہنچنے مین خود انکی نہین بلکہ ان مسلمانونکی ممنون ہے، جنکی ابتدائی توجہ اسکی طرف صرف اسکی ندرت کی بنا پر اور اس بنا پر تھی کہ اسکو اس سنسکرت زبان سے تعلق ہے جو اس وسیع ہندو آبادی کا محبوب خزانہ ہے جسکے ساتھ انکو بہت زیادہ تعلق ہے"،

"سب سے پہلے مہابہارت اور رامائن کی رزمیہ نظمون نے بنگال کے مسلمان سلاطین کو اپنی طرف متوجہ کیا، جنکے اشارہ سے انکا بنگالی یعنی ملکی زبان مین ترجمہ ہوا، مہابہارت کا سب سے پہلا ترجمہ ناصر شاہ، والی بنگال (سنہ ۱۲۸۲ء - سنہ ۱۳۲۵ء) کے حکم سے ہوا، جو صوبہ کی دیسی زبان کا بہت بڑا مربی تھا، اور جسکو شاعر اعظم ودیاپتی نے اپنی ندر دیکر زندۂ جاوید بنا دیا، (اپنی ایک نظم مین) سلطان غیاث الدین کا بھی ذکر کرتا ہی جس سے غالباً غیاث الدین ثانی والی بنگال (سنہ ۱۳۶۷ء - سنہ ۱۳۷۳ء) مراد ہے"،

"..... یہ مشکوک ہی کہ بنگال کے کسی مسلمان بادشاہ، یا ہندو راجہ کانس نرائن[1] نے کرتی دلس کو بنگالی مین رامائن ترجمہ کرنیکا حکم دیا، اگر پہلی روایت صحیح ہے تو اسمین شک نہین کیا جاسکتا کہ مسلمانون ہی کے نظیرون نے اس کارنامہ کے انجام پر اسکو آمادہ کیا"،

"سلطان حسین شاہ، بنگالی زبان کا بہت بڑا مربی تھا، مالادھر باسو کو اسی نے بہاگوت پوران کے بنگالی ترجمہ پر مقرر کیا، حسین شاہ کا ایک سپہ سالار پرگل خان نامی تھا، پرگل خان اور اسکے بیٹے نے اپنے نام کو اس بنا پر بقاے دوام بخشدیا ہی کہ انھون نے مہابہارت کا نکڑا بنگالی مین ترجمہ کرایا"،

پرگل خان روزانہ شام کو اپنے محل پر گلیبور واقع فینی مین اپنے اہل دربار کو جمع

[1] معارف: مسلمانون کے عہد مین چند سال کیلئے یہ بنگال کا راجہ بن بیٹھا تھا، اسکا بیٹا تخت نشین ہوکر مسلمان ہوگیا تھا

کرتا تھا تاکہ مہابھارت کے بنگالی ترجمہ کو ترجم بینی کوندرا پرمیشور کی زبان سے سنیں،

پرگل خان کے زیر اہتمام اس رزمیہ نظم کا ترجمہ "استری پرو" تک پورا ہوا، اسکے بعد چھوٹے خان جو اسکا چاٹگام کی گورنری پر جانشین ہوا، اس نے سریکرن نامی شاعر کو مقرر کرکے اس کام کو جاری رکھا، اور "آشمویدھ پرو" کا ترجمہ کرایا۔"

مسلمان امرا کے اشارہ سے بنگالی مین سنسکرت اور فارسی کتابون کے ترجمہ کرنیکی مثالین شاذ نہین ہین، انھون نے سنسکرت کے عشاق برہمن اور ہندو راجاؤن کے اس مغرور جذبہ کو جس سے وہ بنگالی زبان کو دیکھتے تھے، بدل دیا، مسلمان امرا کی تقلید مین بنگالی مصنفین کی ہمت افزائی، اور دربارون مین بنگالی شعرا کے رکھنے کا ہندو راجاؤن مین عام رواج ہوگیا، اس زمانہ سے کتنے ممتاز بنگالی شعرا اور مصنفین نے ہندو راجاؤن کے دربارون کو آراستہ کردیا، جسکے سبب سے بنگالی مقبولیت عام مین بلند سطح تک ترقی کرگئی، اور ان زبانون کی جو اپنے پاؤن اس صوبہ مین گاڑ رہی تہین حریف بنگئی۔[1]"

الغرض رفتہ رفتہ عربی اور فارسی زبان کی تعلیم بنگالی شرفا کا طغراے امتیاز بن گئی خصوصًا ان خاندانون کے لئے جنکو حکمرانون کی نیابت اور سرکاری عہدون پر سرافرازی کا موروثی حق ہوگیا تھا، مہاراجہ سورج کنتا اچارجی ٹاگی، مہاراجہ جتندرو موہن ٹاگور، اور مہاراجہ ناداکرشنا کے خاندان بنگال مین عربی اور فارسی علوم و ادبیات کے مربی تھے، اور انکے فرزند ان علوم مین عالمانہ مہارت رکھتے تھے، راجہ رام موہن راے بانی فرقہ برہمو سماج، اور راجہ کشب چندر سین جنھون نے آخر زمانہ مین بنگالی قوم مین مصلحین اعظم کا درجہ پایا ہے، علوم اسلامیہ کے واقفین مین انکا شمار ہے، مولانا حبیب الرحمان خان شروانی ندوہ کے اجلاس

[1] صفحہ ۱۰۷-۱۱۱، پروموشن آف لرننگ ان انڈیا،

مدراس (۱۹۱۷ء) کی تقریر مین فرماتے ہین:-

"بنگال کے جدید دور ترقی کا سنگ بنیاد راجہ رام موہن راے کے قابل ہاتھون سے رکھا گیا، یہ واقعہ ہے کہ انھون نے پٹنہ مین عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی، گذشتہ موسم سرما مین کلکتہ کے ایک نامور بنگالی بابو نے مجھسے کہا کہ انکے باپ اور چچا کے زمانہ تک کلکتہ سے بکثرت بنگالی عربی پڑھنے پٹنہ جایا کرتے تھے، چنانچہ انکے چچا نے پٹنہ ہی مین علوم عربیہ کی تکمیل کی تھی،

گریش چندر گھوش نے قرآن مجید، تذکرۃ الانبیا اور مشکوۃ کا بنگالی مین ترجمہ کیا،

انہین اسباب کا اثر ہے کہ بنگالی زبان مین عربی اور فارسی کے الفاظ خصوصًا آداب سلطنت اور کاروائی ہاے مقدمہ کے الفاظ بکثرت ہین، اور اب رفتہ رفتہ انکی جگہ انگریزی لے رہی ہے، تاہم بنگال کی ڈیڑھ دو سو برس کی انگریزی حکومت کے بعد بھی ان الفاظ کا ابتک بنگالی مین رواج پذیر رہنا، اسکے یہ معنی ہین کہ اس زبان مین ان مفاہیم کے لئے سرے سے الفاظ ہی نہ تھے،

بنگال کے بعض ممتاز خاندانون کا سرنام ابتک فارسی ہے، مثلاً ملک، عمدہ دار، سرکار، موزمدار، اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ انکو اپنے حاکم وقت کی زبان سے کسدرجہ محبت تھی،

مہاراشٹر کی مرہٹی زبان جو کہنا چاہیئے کہ یہ ہندوستان کی اس قوم کی زبان ہے جسکا بس چلتا تو مسلمانون کی ہستی کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ ڈالتی، تم اس سے قیاس کرسکتے ہو مسلمانون کے علوم و فنون اور زبان سے اسکو کسدرجہ نفرت ہوگی، لیکن یہ معلوم کرکے تعجب کی انتہا نہ ہوگی کہ مرہٹی زبان کے بنانے مین مسلمانون کے زبان و قلم نے سب سے زیادہ کام کیا ہے، دہقانی اور صحرائی مرہٹون کو طرز و آداب شاہی سیکھنے کے لئے اپنے انہین

دشمنون کا دست نگر ہونا پڑا، ابتدائً مرہٹی زبان ایک وسیع ملک کی جہانداری کی قوت
نہین رکھتی تھی، اسلئے ناچار انہین مسلمانون اور برہمنون کا اسکو ممنون ہونا پڑا، جنھون نے
فارسی زبان پڑہی اور سیکھی تھی، مرہٹہ راجاؤن کے فرامین آج بھی تم پڑہو تو آدہے سے
زیادہ اسمین اصلی یا بگڑے ہوے فارسی و عربی الفاظ کی آمیزش پاؤگے، تعلیم یافتہ سے
تعلیم یافتہ مرہٹہ آج قدیم مرہٹی زبان کے لٹریچر کے سمجھنے سے اپنے کو عاجز پاتا ہے،

آداب و قواعد سلطنت، کاغذات سرکاری، صنعت و حرفت، خانگی زندگی ہر ایک چیز
مین اسکی زبان کا اصلی راس المال عربی و فارسی زبان کے الفاظ ہین، ہمارے دوست شیخ
عبدالقادر صاحب ایم، اے پروفیسر الفنسٹن کالج بمبئی جو مرہٹی کی زبان دانا نہ لیاقت رکھتے ہین
وہ مرہٹی زبان کی ایک ڈکشنری لکھنے والے تھے، جس سے بیک دفعہ یہ نظر آجاتا کہ
عدالت، کتبخانہ، مدرسہ، بازار، کارخانہ، ہر جگہ مرہٹی کے آلاتِ تخاطب عربی و فارسی الفاظ
ہین، حلوائی کی دوکان سے بڑہئی اور لوہار کے مکان تک چلے جاؤ، آلات کے نام اور
تہذیب و تمدن کے الفاظ کا ماخذ مسلمانون ہی کی زبان کو پاؤگے، تاریخ کے لئے لفظ مرہٹی
مین نہ تہا، اب اسکو باکھر کہتے ہین، اس زبان کے محققین کا بیان ہے کہ یہ کھبر کی تحریف ہے
کھبر، سمجھے؟ خبر!

بیسیون ہندو خاندان وہان آباد ہین، جنکا سرمایۂ امتیاز یہ ہے کہ عہد قدیم مین انکا
خاندان فارسی کا خدمتگذار رہتا، اور اب تک اُن کا خاندانی سرنام وہی فارسی زبان کا لفظ ہے
مثلاً "پھرنیس" یعنی فردنویس، "چٹ نیس"، یعنی چٹھی نویس"، کلہ دار" یعنی قلعہ دار" پوت دار" یعنی
پوتھی دار، ایک قسم کے مرہٹہ سپاہی کا نام "سلہ دار" تہا، اسکی اصل سمجھے "سلحدار" انگائی تم
جانتے ہو؟ تم جسکو تعاوی بولتے ہو، آجکل دکن مین مرہٹون اور برہمنون کی زبان حسب ذیل

عہدون کے نام عام طور سے جاری ہین،

مقدم	چودہری،	فوجدار	سب انسپکٹر
معاملہ دار،	تحصیلدار	تاجر	ناظر
کارکن،	محرر	سررستہ دار	سررشتہ دار
دیوان،	سکرٹری	...	...

ملک دکن اور مہاراشٹر کی تقریب سے ہم نے حیدرآباد کا ذکر نہین کیا، سبب یہ کہ
اس مجسمۂ عدل و انصاف ریاست نے اپنی ہندو رعایا کی تعلیمی و علمی ترقی مین جو کارنامے
انجام دیئے ہین وہ ایک مضمون کی ضمن مین نہین بلکہ ایک کتاب کے سیکڑون صفحات مین
انکا تذکرہ ہونا چاہیئے، صرف ایک حیدرآباد کی اسلامی ریاست نے اپنی ہندو رعایا کے
ساتھ جو کچھ کیا اور کر رہی ہے، تمام ہندوستان کی ہندو ریاستون نے ملکر بھی اپنی مسلمان
رعایا کے ساتھ اسا نہین کیا، اسوقت موضوع سخن صرف علمی اور تعلیمی حالات ہین، اسلئے
صرف اسی زاویہ نگاہ سے اگر دیکھا جاے تو معلوم ہوگا کہ علاوہ عام تعلیم کے جسکی بدولت ریاست کے
تمام دفاتر پر ہندو اہل کار قابض رہے ہین، اعلے التعلیم کے لحاظ سے بھی ہر عصر مین یہان ہندو
اہل قلم مصنفین اور شعرا موجود رہے ہین، اس بیان کی تصدیق کتبخانہ آصفیہ کی مطبوعہ
فہرست کی دو جلدون مین ملیگی، منشی لچھمی نرائن شفیق مصنف بساط الغنائم و تاریخ دکن، لالہ
گردہاری لال مصنف تاریخ دکن، راے منالال مصنف تاریخ دکن، لالہ لچھمی نرائن مصنف
چمنستان شعرا، راجہ گردہاری پرشاد، باقی، صاحب دیوان و مثنوی، مہاراجہ چندو لال
شاداں صاحب کلیات، نند رام مصنف سیاق نامہ، جگناتھ نجومی مصنف تقویم التواریخ
حکیم راے بچولال تمکین، صاحب دیوان و مصنف مجربات، رتن لال مصنف تخطیط البلاد

وغیرہ کے سیکڑون نام گنائے جا سکتے ہین، اور عجب نہین کہ کوئی حیدرآبادی قلم ان سے بھی بہتر اشخاص کے نام پیش کر سکے،

بہار، اودہ، صوبہ آگرہ اور دلی کے متعلق بیخطر کہنا چاہیئے کہ یہان ہندوون کی تعلیم مسلمانون کے برابر برابر تھی، ان ممالک کے بیشمار ہندو فضلا کے نام تذکرون مین محفوظ ہین، فقط ایک لکھنؤ مین ہندو شعرا کی تعداد سیکڑون سے متجاوز ہوئی ہوگی، لکھنؤ کے کشمیری ہندوؤن مین فارسی تعلیم کا رواج انتہائی عروج پر تھا، لکھنؤ مین راجہ الفت رائے الفت، کالی پرشاد اخلاص، لالچند انس، راجہ گنگا پرشاد بدر، منشی خیالی رام خیالی، بجنادر سنگھ راقم، بیکو لال الفت، رام سہائے رونق، میڈو لال زار، راجہ جیا لال گلشن، راجہ کالکا پرشاد موجد، منشی [illegible] راجہ جوالا پرشاد وقار، دیگر اضلاع اودہ و الہ آباد مین نن لال آفرین، الہ آبادی، راے امر سنگھ خوشدل مانکپوری، گوکل چند ہندو فرخ آبادی، راجہ مدن سنگھ موزون اٹاوی، راے گلاب راے گلشن سندیلوی، سکھن لال موجد بدایونی، لالہ بھجناتھ مشتاق بریلوی، لالہ رام بخش مطیع قنوجی، لالہ بالمکند شہود مانکپوری، منشی الیشری داس ارقم فرخ آبادی، اندرمن اورنگ آبادی (علی گدھ) آگرہ مین چندر بھان برہمن، شیو رام حیا، راے منوہر ولد راے لون کرن عظیم آباد (پٹنہ) مین، لالہ اوجاگر الفت، راجہ پیارے لال الفتی، راجہ بہادر راجہ، راجہ رام نرائن موزون، بینی پرشاد دل وغیرہ فارسی زبان کے مشہور شاعر سخن فہم، انشا پرداز اور فاضل گذرے ہین،

الہ اباد کے مشہور ہندو لیڈر مالوی جی اگر اسکو یاد رکہین تو اچھا ہے کہ ممالک متحدہ کے ہندوون کا سب سے پہلا لیڈر جو اسی شہر الہ آباد مین آپکے ہم پیشہ تھے اور جنکی کوشش سے آپ "پالیٹکس" کے لفظ سے گوش آشنا ہوے ہین وہ عربی اور فارسی علوم کے ایک بہت بڑے

ہمہ دان فاضل تھے، یعنی پنڈت اجودھیا ناتھ! وہ ایک طرف کانگریس کے پلیٹ فارم پر لکچر دیتے تھے تو دوسری طرف اپنے گھر مین بیٹھکر متنبی اور عرفی کا درس دیتے تھے،

پنجاب بھی مسلمانون کے تعلیمی اثر سے خالی نہین، مل سیالکوٹی، تخلص بہ وارستہ جو فارسی کے مشہور لغت مصطلحات الشعرا کا مصنف ہی، وامق کھتری شاگرد ملا عبد الحکیم سیالکوٹی، منشی لچھمی نرائن دبیر گنجاوی لاہوری پنجاب کے نامور ہندو فضلا ہین، لچھمی نرائن کو معقولات مین بھی بہت بڑی مہارت حاصل تھی، مصطلحات فارسی کی تحقیق مین وارستہ نے ۳۰ برس ایران مین گذارے تھے،

دلی مین منشی مادہو رام منشی، راے منوہر لال منوہر، مرزا راجہ کدار ناتھ نسیم، مرزا کو ذرا دیکھیگا! راجہ گوپال ناتھ غلام، پورن لال رنگین، بہادر سنگھ دلخوش، لالہ چنی داس ذرہ، شیو سنگھ بیجان، لالہ نرائن داس بیخود، سکھراج سبقت، منشی گوہر لال تفتہ وغیرہ سیکڑون فضلا گذرے ہین،[1]

دیہاتون مین تعلیم کا طریقہ وہی تھا جو مدت دراز سے ہندوستان مین جاری ہے، گرو جی دیہات کے زمیندار کے ہان نوکر ہوتے تھے، یا تمام گاؤن کی طرف سے انکو تنخواہ ملتی تھی، لڑکے کسی کچے مکان کے برآمدہ مین یا سایہ دار درخت کے نیچے لپی ہوئی زمین پر بیٹھ جاتے تھے، ہاتھ مین لکڑی کا سیاہ رنگا ہوا تختہ ہوتا تھا، اسپر کھریا کی سفید روشنائی سے لکھتے تھے، یا کھریا مٹی کے ڈھیلے سے زمین پر لکھتے تھے، ہندی لکھنا پڑھنا اور پہاڑا اور حساب انکو سکھایا جاتا تھا، یہ گویا پرائمری تعلیم تھی،

عام تعلیم تو یہین ختم ہو جاتی تھی، جو لڑکے آگے بڑھنا چاہتے تھے، وہ یا سنسکرت ما سکے بعد

[1] یہ تمام نام مختلف فارسی تذکرون سے التقاط کئے گئے ہین،

سیکھتے تھے، اور پنڈت بنتے تھے، اور یا سرکاری زبان فارسی کی تعلیم حاصل کر لیتے تھے، قصبون مین فارسی کے مکتب ہوتے تھے، ہندو اور زیادہ تر مسلمان "میان جی" پڑھاتے تھے، فارسی کی ابتدائی تعلیم مین بول چال۔ خط و کتابت اور اخلاقی حکایات کی کتابین داخل ہوتی تہین، ہندو و مسلمان لڑکے ایک ساتھ نہایت میل جول اور یکجہتی کے ساتھ پڑہتے تھے، گلستان، بوستان، یوسف زلیخا، انشاے خلیفہ، بہار دانش، اخلاق ناصری، انوار سہیلی، سکندر نامہ، شاہنامہ وغیرہ کتابین داخل درس تہین، خوشخطی اور فارسی نویسی سکہائی جاتی تھی فرامین اور دیگر مراسلات سرکاری اور خط شکستہ کے پڑھنے کی عادت دلانیکے لئے پورانے لمبے خطوط کا ایک طومار "میان جی" اپنے پاس رکہتے تھے جسمین سو دو سو خط لمبے جڑے ہوتے تھے، مکتب کے طالب العلم انکو پڑہتے تھے اسکو اسکول کی تعلیم سمجہنا چاہیئے،

اسکے بعد یا تو لڑکے نوکری کر لیتے تھے اور یا تکمیل کے لئے مشہور اساتذہ کی خدمت مین بڑے بڑے شہرون مین چلے جاتے تھے، انسے فارسی کی اعلے تعلیم، شاعری، علوم، اور کچھ عربی کی کتابین پڑہتے تھے، بعض بعض طلبہ تمام علوم مروجہ کی تکمیل کرتے تھے،

ابوالفضل نے آئین اکبری مین اپنے زمانہ کا نصاب تعلیم بتایا ہے، اخلاق، ریاضیات حساب، زراعت، اقلیدس، مساحت، ہیئت، رمل، قواعد عال، آئین سلطنت، طب، طبعیات، الہیات، اور تاریخ، ہندوؤن کو ان علوم کے علاوہ ویاکرن (سنسکرت صرف و نحو) ویدانت (ہندو تصوف و اخلاق)، پاتن جلی (ہندو فلسفہ) بھی پڑھنی پڑتی تھی، ابوالفضل کا بیان ہی کہ اس تعلیم کی بدولت تمام سلطنت آراستہ و مرصع ہوگئی تھی، اسکو اس عہد کے کالج کی تعلیم سمجھنی چاہیئے،

سطور بالا مین تحصیل کمال اور طلب علم کے لئے جا بجا اساتذہ کی خدمت مین سفر کا جو نقشہ مین نے کہینچا ہی، فارسی تذکرون کے پڑہنے سے یہ خود بخود سمجھ مین آجاتا ہی، ذیل مین منشی لچھمی نرائن دبیر کے حالات تعلیم کی چند سطرین ایک فارسی تذکرہ سے نقل کرتے ہین،

"جد و پدرش در دہلی بوکالت امراے عالمگیری و محمد شاہی عز امتیاز داشت، و بیر در طفلی از مولوی شیخ محمد گرفت، در سن دوازدہ سالگی بشوق نظم و نثر در مجلس استفادہ سراج الدین علیخان آرزو جا گرفت، و براے تحصیل صرف و نحو نزد لالہ ٹیک چند بہاری رفت، بعد رشد، خدمت علماے اعلام را التزام نمود و مشغول اکتساب علم طب و دیگر علوم عقلیہ بود، در سنہ ۱۲۰۵ھ مرد"

ہندو اور مسلمان طلبہ ان اساتذہ کی خدمت مین جس محبت و یکجہتی کے ساتھ مل کر تعلیم پاتے تھے، اور "استاد بہائی" بنکر جو رشتہ اتحاد باہم قائم کر لیتے تھے، وہ آجکل کے شاندار ایوانون کے تاریخی زمانہ مین مفقود ہے، محمد حفیظ خان المتوفی سنہ ۱۱۹۴ھ ایک نامور استاد تھے، انکے شاگردان با اخلاص کے نام سنئے، میر ابوالحسن، منشی لچھمن سنگھ، میر کلن، قادر بخش، پنڈت لچھمی رام، محمد اسماعیل، لالہ سکھ رام، منشی کشن سنگھ، محمد تقی، منشی محبوب رائے، دیکھنا! "منشی محبوب رائے،" کتنا پیارا نام ہے، کیا یہ ہندو مسلمانون کے اتحاد باہمی کی عملی دلیل نہین؟

لالہ چنی داس ذرہ دلی کے ایک مشہور معلم تھے، جنکے مکتب مین ہندو مسلمان لڑکے پڑھتے تھے ہندوستان کے خاتمہ العلما مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحب مرحوم کے استاد فارسی، منشی سوہن لال تھے، اور مولاناے مرحوم کے تلامذہ مین جے بہاری لال کایستھ تھے، مولانا کے ایک تلمیذ رشید گواہی دیتے ہین کہ مین نے خود دیکھا ہے کہ مولانا کے دوسرے رشید تلامذہ انکے ساتھ برادرانہ برتاؤ کرتے تھے[1]"

(باقی)

---

[1] خطبۂ صدارت ندوہ، راس سنہ ۱۹۱۶ء از مولاناے شروانی،

شبلی سوسائٹی

زبان پہ بار خدایا یہ کسکا نام آیا — کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کیلئے

حیدرآباد کی "بزم ادب" چاہتی ہے کہ ایک شبلی سوسائٹی قائم کیجائے جسکے مقاصد ہلکے ہون یعنی شبلی اکیڈیمی کی طرح سخت اور ٹھوس نہون، لیکن قبل اسکے کہ غین اس قسم کی سوسائٹی کی ضرورت پر نظر ڈالون، مجھے دیکھنا ہے کہ جسکی یادگار قائم کرنی ہے وہ کس پایہ کا شخص تھا،

کم وبیش ۲۰ برس ہوے مولانا نے مشرقیات پر طبع آزمائی کے لئے جہانتک اسلامی علوم کا تعلق ہے ایک اسکیم طیار کی تھی، جو خواص تک محدود رہی اور جسکی عام طور پر اشاعت نہین کیگئی، اسکی تفصیل ممدوح ہی کی زبان سے سُنیئے، مولانا فرماتے ہین :-

تھوڑی دیر کے واسطے یہ فرض کرنا چاہیئے کہ زمانہ اپنی موجودہ ضرورتون کے ساتھ قائم ہے، لیکن بجاے موجودہ نسل کے ہمارے اسلاف کا علمی گروہ دوبارہ دنیا مین آگیا ہے، اس حالت مین غور کرو، اس گروہ کے علمی مہمات کیا ہونگے؟ اس سوال کا جواب قیاسی اور فرضی نہین بلکہ اصول تجربہ کے موافق دیا جاسکتا ہے، علماے سلف اور انکے علمی کارنامے دونون ہماری آنکھ کے سامنے ہین نیز ہر شخص جانتا ہے کہ دولت عباسیہ کے زمانہ تک تمام اسلامی علوم بالکل سادگی اور یکرخی کی حالت مین تھے، دولت عباسیہ کے وجود کے ساتھ جب نئی ضرورتین پیدا ہوئین تو

دفعۃً ایک انقلاب ہوگیا، سب سے پہلے علماء کا ایک گروہ پیدا ہوا، جس نے یونانی فارسی سریانی، کالدی، ہندی، اور قبطی زبانون کے علوم وفنون ترجمہ کے ذریعہ سے عربی زبان مین منتقل کردیئے، ایک دوسرے گروہ نے ان نمونون کو سامنے رکھکر اسلامی علوم کے سادہ ایوان پر مینا کاریان اور نقش آرائیان کین، عقائد نے علم کلام کی صورت اختیار کی، عربیت نے ریٹرک (معانی وبلاغت) کا قالب بدلا، اصول فقہ مین منطقی استدلالات پیدا ہوگئے، تفسیر مین فلسفہ کی آمیزش ہوگئی، فرائض مین علم حساب کے دقیق اصول شامل ہوگئے، ان باتون کے ساتھ علوم قدیمہ کی غلامی نہین کی، بلکہ جو کچھ کیا آزاد وخود مختارانہ کیا، جہان غلطیان دیکھین اصلاح کی، جو فضول حصہ تھا اسکو الگ کردیا، پریشان اور غیر مرتب مسائل نئے سرے سے درست کئے، جسقدر حصہ اسلامی علوم مین تحلیل ہوسکتا تھا تحلیل کیا جو بالکل جدا تھا اسکو مستقل حیثیت سے قائم رکھا،

مولانا مزید گہرافشانی یون فرماتے ہین :-

آج بعینہ اسی قسم کی حالت اور اسی قسم کا موقع ہے، یورپ نے تمام علوم وفنون کا قالب بدلدیا ہے، فلسفہ نے بالکل نئی صورت اختیار کی ہے، منطق مین نئے برگ وبار پیدا ہوئے ہین، معانی وبلاغت کا اسلوب بدلگیا ہے تاریخ ایک قسم کا فلسفہ بنگئی ہے، مذہبی مباحث کے نئے نئے پیرایئے نکل آئے ہین،

اسی گذشتہ مثال کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہین کہ آج اگر اسلاف موجود ہوتے تو علوم وفنون جدیدہ کو پیش نظر رکھکر وہی کرتے جو انھون نے علوم قدیمہ کے ساتھ کیا تھا، علم کلام کو فلسفہ جدیدہ کے مقابلہ مین مرتب کرتے، تاریخ اور واقعہ نگاری کا انداز بدلتے،

مسائل جدیدہ کو تحقیق کی نگاہ سے دیکھتے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ تمام علوم و فنون کے
متعلق قدیم و حال کی تحقیقات کا موازنہ کرتے، اور دونون کے عیب و ہنر دکھا کر فیصلہ
کرتے کہ کیا چیزین کس حد تک قبول کے قابل ہین، اور نئی تحقیقات کو علوم قدیمہ کے
ساتھ کیونکر پیوند دیا جاسکتا ہے، یا انکے نمونہ پر علوم قدیمہ کی روش کیونکر بدل سکتی ہے،
یہ سچ ہے کہ آج قوم مین غزالی و رازی موجود نہین، لیکن انکی تصنیفات آج بھی
موجود ہین، اور وہ ہمارے لئے چراغ راہ بن سکتی ہین، انکی روشنی مین ہم اسقدر
معلوم کرسکتے ہین کہ نئے راستہ مین کیونکر قدم اٹھانا چاہیئے، اور قدیم و جدید راہین
کہان جا کر ملجائینگی۔

ان موضوعات ابتدائی کے بعد مولانا کے خیال مین اُن کامون کی تفصیل جو اس
زمانہ مین اسلاف کے نمونہ پر کئے جاسکتے ہین حسب ذیل ہوگی:-

(۱) فلسفۂ حال کے اصول اور اسکا معتدبہ حصہ ملکی زبان مین لایا جائے،

(۲) یہ بتایا جائے کہ فلسفۂ حال کے کون کونسے مسائل مذہب کے خلاف ہین پھر
ان مسائل کو باطل کیا جائے یا مذہب سے تطبیق دیجائے،

(۳) جس قسم کے مضامین پر آجکل یورپ مین تصنیفات ہورہی ہین اور جنپر اسلامی
تصنیفات بھی موجود ہین، ان مین موازنہ کرکے بتایا جائے کہ مسلمانون کا طرز تصنیف
کیا تھا اور یورپ کا طرز تصنیف کیا ہے، مثلاً تاریخ، اسماء الرجال، معانی و بلاغت
تحقیقات مذہب مین عربی زبان مین کثرت سے تصنیفات موجود ہین، انھی
مضامین نے یورپ مین نئے نئے اسلوب اختیار کئے ہین، موازنہ کرکے بتانا
چاہیئے کہ دونون کے مختلف خصوصیات کیا ہین اور کسکو کس حیثیت سے ترجیح ہے۔

(۴) خالص اسلامی علوم، مثلاً کلام، فقہ، اصول تفسیر وغیرہ کی تاریخ اور ان پر ریویو
لکھا جائے، یعنی یہ کہ یہ علوم کب پیدا ہوئے، کیونکر بڑھے، کس کس زمانہ مین کیا
باتین ان پر اضافہ ہوتی گئین، اور کن اسباب سے ہوئین، انکا کسقدر حصہ صحیح ہے،
کسقدر تنقید اور اصلاح کا محتاج ہے،

(۵) فارسی اور عربی شاعری اور انشاپردازی کی تاریخ لکھی جائے،

(۶) جن نئے عنوانون پر یورپ مین مضامین لکھے جارہے ہین، اردو زبان مین
ترجمہ کے ذریعہ سے لائے جائین،

(۷) مسلمانون کی تہذیب اور تمدن پر تاریخانہ مضامین لکھے جائین، مثلاً انتظام
عدالت، انتظام محاصل، پبلک ورکس، تعلیمات، تجارت، فوجی نظم و نسق، معاشرت
غرض اس قسم کے تمام امور کی نسبت مورخانہ طور پر لکھا جائے کہ مسلمانون نے
ان چیزون مین کہانتک ترقی کی، اور کس کس عہد مین کیا اضافہ ہوا،،

ظاہر ہے کہ یہ مقاصد جو دکھائے گئے ہین، انکی تکمیل ایک دو شخص کا کام نہین،
بلکہ ایک مجمع العلماء کا کام تھا، لیکن مولانا اپنی زندگی مین جو کچھ کرسکے اسکو پھیلانا اور تفصیل سے
دکھانا "دار المصنفین" کا کام ہے، ہمارے سبک مقاصد کے لئے صرف اتنی ہی ضرورت
تھی کہ اس جامع الحیثیات مصنف کی دماغی وسعت کا ایک سرسری خاکہ ہماری آنکھون کے
سامنے ہو اور بھولا ہوا سبق یاد آجائے،

ہمکو طعنہ دیا جاتا ہے کہ پرستاران شبلی مولانا کو غزالی اور شاہ ولی اللہ سے کم نہین سمجھتے
لیکن منحرف طبائع کو معلوم نہین کہ آجکل کے دور مادیت مین کسیکی عظمت کے لئے محض
خوش عقیدتی کافی نہین، فوقیت کا راز ان دماغی تصرفات مین ہے جو صرف حکما آدب کا

حصہ ہوتے ہین، ہم ان صاحبون کو ایک حد تک "غیر مکلف" سمجھنے کے لئے طیار ہین، جنکے نظام عصبی کا مستقر سرے سے ان مسائل کے ادراک کی قابلیت نہین رکھتا، یا جنکی نفسیت غیر شاعرہ ہمارے زاویۂ نگاہ کا ساتھ نہین دیسکتی، لیکن اسکے ساتھ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ قوم سخت بدنصیب ہے جو اپنے مصنفین کے (جو صرف انگلیون پر گنے جا سکتے ہین) نتائج افکار پر فخر نہین کر سکتی، ہم شبلی کو صرف اسلئے چاہتے ہین کہ وہ خالص ادیب تھے اور اپنے اونچے معیار تصنیف کے لحاظ سے متاخرین ادب مین کسی سے دوسرے درجہ پر نہین تھے، یعنی انکی عظمت جو کچھ ہے انکی ادبی اور تاریخی تصنیفات کی بنا پر ہے،

بہر حال ہمکو اس شریفانہ جذبہ کے لئے جہانتک لٹریچر کی تحسین شناسانہ کا تعلق ہے معذرت کی ضرورت نہین ہے، اور ہم بلاخوف تردید مولانا کے وسیع ذخیرۂ ادب سے صرف "شعر العجم" کو لیتے ہین جو تنقید عالیہ (ہایر کریٹی سزم) کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے، جسپر دنیا کی کوئی زبان ناز کر سکتی ہے، یہی کتاب ہے جو "خیام کلب" کی طرح ہماری سوسائٹی کو ایک متحد الغایتہ نظام کے تحت مین لا سکتی ہے، جس طرح فٹز جیرلڈ کی لہامانہ شاعری نے خیام کی یورپ مین زندہ کر رکھا ہے، اور آج خیام کے پرستارون کا بہت بڑا حلقہ پیدا ہو گیا ہے، شعر العجم مین بھی بالخاصہ یہ کہربائیت موجود ہے کہ وہ کم سے کم تعلیم یافتہ طبقہ کے منتخب افراد کو کسی ایک مرکز پر لا سکتی ہے، مجھکو اصرار ہی کہ صرف اردو لٹریچر مین نہین بلکہ مشرق کی کسی زبان مین اس پایہ کی تصنیف موجود نہین ہے، فارسی زبان کی لائق ذکر خصوصیات مین جنکی تفصیل کا یہ موقع نہین، اسکا وسیع ذخیرۂ الفاظ، شستہ رفتہ طرز بیان اور ادائے خیال کی بہتری جدت آمیز

نزاکتین ہین، جنکی بنا پر آج بھی وہ زندہ زبانون مین کسی سے پیچھے نہین، ایسی لچکدار زبان کی شاعری جو جذبات انسانی کی برانگیختہ کرنیوالی ہو، اور جسمین خود نفس انسانی مخاطب صحیح ہو، آپ سمجھ سکتے ہین کہ کیا پایہ رکھتی ہے، نثر کو اگر "ضروریات" زندگی مین رکھیئے تو شاعری اپنی اداے خاص کے مابہ الامتیاز کے رو سے ان "تکلفات" کا نام ہے، جن سے کوئی شایستہ اور متمدن قوم قطع نظر نہین کر سکتی، بہرحال شعر العجم دنیا کی سب سے شیرین زبان کے جذباتی لٹریچر کا ایک خوبصورت مرقع ہے، جسمین مصور فطرت شبلی نے اس طبقہ کو زندہ کیا ہے، جو مرنیکے بعد بھی غیر فانی ہونیکا مستحق تھا، اور ہم ایسے شخص کی یادگار مین کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہین جسکی تفصیل آگے آتی ہے،

شعر العجم کا چوتھا حصہ جسمین مولانا نے شاعری پر عام تنقید کی ہے، پوری کتاب کا روح رودان ہے، مولانا کے کمال انشا پردازی اور سخن آفرینی کا یہ حصہ اصلی جولانگاہ ہے، جسمین انھون نے اپنا زور قلم دکھایا ہے، فردوسی[1] پر جس طرح نظر ڈالی ہے، اسکے کمال کی باریکیان جس جس طرح ابھار کر دکھائی ہین، سچ یہ ہے کہ اس سے پہلے ادہر ذہن بھی منتقل نہین ہو سکتا تھا، اور یہی نکتہ سنجی کی آخری حد ہے، جسمین وہ اپنے معاصرین سے علانیہ ممتاز نظر آتے ہین، لیکن یہ حصہ صرف مثنوی پر ختم ہو گیا ہے، بقیہ اصناف شاعری یعنی تشبیب و غزل، قصائد و رباعیات وغیرہ کے سلسلہ مین مولانا نے عشقیہ، صوفیانہ اور فلسفیانہ شاعری کے مستقل عنوانون سے داد سخن دی ہے، جو حضرات لٹریچر کا

---

[1] فردوسی کو اپنے کلام کی داد زندگی مین نہ ملسکی، لیکن مولانا نے جس طرح اسکی تلافی کی ہی اچھے اچھے اہل قلم کو اسپر رشک آئیگا، پروفیسر براؤن بھی جو طبقۂ اعلیٰ کے لکھنے والون مین ہین تحقیق کے ساتھ مذاق سخن کہان سے لاتے، انکی تاریخ الادب اس حیثیت سے بہت پھیکی رہی،

مذاق صحیح رکھتے ہین، وہ اس حصہ کی "عطریت"، کا اندازہ کرسکین گے، مین ان اجزاء کو اسقدر اہم سمجھتا ہون کہ کتابی سلسلہ سے علٰحدہ، جہانتک شاعری کی ماہیت نفسی (سائیکالوجی) کا تعلق ہے، دونون حصے بجاے خود ایک مستقل چیز ہین، لیکن افسوس ہی کہ پانچوان حصہ جسکا مسوّدہ موجود ہے، اسوقت تک پریس مین نہ جاسکا،

بہت کم لوگ ہین، جنھون نے شعر العجم پڑھنے کی تکلیف گوارا کی ہوگی، ان مین بھی بھوڑے ہی ایسے ہین جنکو شاید یہ علم ہو کہ شبلی کی آخری تصنیف کا سب سے آخری حصہ اسوقت تک شایع نہو سکا، اور ایسا تو ایک بھی نہین ہے جسے اسکی اشاعت کی ضرورت کا احساس ہو، **معارف** کا خیال ہی کہ طبقۂ متوسط مین فرض شناسی کا احساس پیدا ہوگیا ہے لیکن امراء مین نہین، اگر تھوڑی دیر کے لئے اس سے اتفاق راے ممکن ہو تو علمی دنیا کے لئے یہ بالکل نیا انکشاف ہوگا، جہانتک اردو انشاپردازی کے مذاق کا تعلق ہے کوئی روح عامہ موجود نہین ہے، دو چار کام جو ہورہے ہین وہ محض اسلئے کہ ان مین امراء کا "طلائی ہاتھ"، ایک حد تک شریک ہے، لیکن یہ فیاضی بھی اضطراری ہی احساسی نہین،

مختصر یہ کہ پانچوان حصہ نہایت دلچسپ ہے، اسمین صوفیانہ شاعری کی ارتقائی حالت کے سوا عشقیہ شاعری کے تفصیلی ریویو مین عرب اور عجم کے جذبات کے دقیق امتیازات دکھائے گئے ہین جسکا ایک حصہ معارف مین نکل چکا ہے، ناظرین اُٹھا کر ایک نظر دیکھ لین، یہ نفاست خیال، یہ خوش بیانی اب کہان؟

"ایک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے"

اس کی اشاعت "شبلی سوسائٹی"، کے فرائض مین سرفہرست ہونی چاہیئے ورنہ فارسی شاعری کی سائیکلوپیڈیا ناتمام رہجائیگی،

مولانا کے مضامین یعنی مقالات شبلی پر بھی ایک نگاہ ڈالنی ہوگی، جسکی ترتیب میرا خیال ہے، نظر ثانی چاہتی ہے، جہانتک مین استقصار کرسکا، کم وبیش ۴۶ مضامین اور ہین، جن سے مقالات کی دوسری جلد طیار ہوسکتی ہے، ان چھوٹے چھوٹے خطہ ہاے سخن مین بعض مستقل رسالہ کی حیثیت رکھتے ہین، مثلاً فلسفۂ یونان واسلام" جسکے متعدد نمبر ہین،

تاریخ کا یہ ایک اہم سوال ہے کہ مسلمانون نے اپنے دور مین فلسفہ وسائنس پر کچھ اضافہ وترمیم کی یا نہین، یا جیسا بارہا کہا گیا ہے "وہ ارسطو کی گاڑی کے صرف قلی تھے" یورپ کے جن مستشرقین کا فیصلہ ہمارے حق مین ہے وہ بھی اس لحاظ سے چندان وقیع نہین کہ یہ فیصلہ اجتہادی نہین بلکہ عربی فلسفہ کی سرسری واقفیت پر مبنی ہی، مولانا نے دکھایا ہے کہ مسلمانون نے فلسفۂ یونان کو کس حالت مین پایا، ان مین کیا کیا تصرفات کئے، اسی طرح "فلسفۂ اسلام" مین علوم قدیمہ وجدیدہ سے بحث کیگئی ہے، یعنی یونانیون کا

---

(۱) حاشیہ صفحہ دیگر، تین سال سے یہ کتاب پڑی ہوئی ہی، اسکے طبع کرنے مین زیادہ سے زیادہ ۳۰۰ روپیہ صرف ہونگے، کیا شبلی سوسائٹی مین ۳۰ ارکان بھی ایسے نہین ملسکتے جو دس دس روپیہ اسکے لئے جیب سے نکال سکین،

(۲) (۱) فلسفۂ یونان واسلام نمبر ۱-۲-۳، ۴، ۵،
(۲) فلسفۂ اسلام، نمبر ۱، ۲،
(۳) الاسلام نمبر ۱، ۲، ۳،
(۴) ابن رشد، نمبر ۱، ۲، ۳،
(۵) شعر العرب، نمبر ۱، ۲، ۳، ۴،

الغائیۃ ۴، ایک ہی خاندان کی شاخین ہین، جن سے ایک مستقل رسالہ طیار ہوسکتا ہی، اگر رسائل شبلی اور مقالات کے مضامین یکجا کردیے جائین اور "عالمگیر" کا مضمون بھی شامل کرلیا جاے تو وہ نہایت ضخیم جلدین طیار ہوسکتی ہین،

فلسفہ کیا تھا، فلسفہ حال کیا ہے؟ مسلمانون کے فلسفہ کو دونون فلسفون سے کیا نسبت ہے یہ معرکتہ الآرا سلسلہ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ناتمام رہا، ابن رشد کا مضمون بھی نہایت ضروری ہے، جسکے فلسفہ پر یورپ مدتون جتیا رہا، گو مولانا اسکی تصنیفات اور اجتہادات پر ریویو نہ کرسکے، "شعر العرب"، کے چار نمبر، شعر العجم کے مقابلہ مین ہماری قابل افسوس ناداری کے لحاظ سے پھر بھی غنیمت ہین،

ایک کام جو در اصل شبلی سوسائٹی کے کرنے کا تھا، اسکی اولیت دار المصنفین کے حصہ مین رہی، میری غرض مکاتیب شبلی کی دو جلدون سے ہے، جو مولانا سید سلیمان کی تہذیب (ایڈیٹری) مین نہایت نفاست سے شایع ہوئین، عہد جدید مین کوئی مثال ایسی نہین ہے، جسمین کسی مصنف کے نجی خطوط جمع کرنیکی کوشش کیگئی ہو اور جسکے اجزاء چھ سو صفحون پر پھیلے ہون، جس طرح آجکل خوش لباسی کی شرط یہ ہی کہ اسمین کم سے کم پیدا کردہ بیساختہ پن[۱] ہو، یعنی کہین سے اہتمام نہ پایا جائے، لٹریچر کا وہ حصہ بہت دلچسپ ہوتا ہے جسمین آمد سخن یعنی برجستہ ادائے خیال کی حیثیت سے تکلف واہتمام کو کچھ دخل نہین ہوتا، یہ بات صرف پرائیوٹ تحریرات مین ہوسکتی ہے جسکا مقصود وقتی اظہار مافی الضمیر کے سوا یہ نہین ہوتا کہ وہ گھونگھٹ سے باہر آئین، لکھنے والیکو بالکل خبر نہین ہوتی لیکن اسکی سرسری جنبش قلم غیر ارادی طور پر اسکا روزنامچۂ زندگی مرتب کرتی جاتی ہے جسمین اسکے اصلی جذبات واحساسات کے خط وخال دیکھ لیجئے، یہ بھی ایک طرح کی مرقع نگاری ہے جسمین نزاکت یہ ہی کہ انشا پرداز اپنی تصویر خود اپنے قلم سے کھینچتا ہے،

۱ (Studied negligence)

ایک دوست کی جو مغربیات کا نہایت صحیح مذاق رکھتے ہین، خواہش تھی کہ اس مجموعہ کی ترتیب تاریخی حیثیت سے ہوتی تھی، لیکن یہ اسلئے نہین ہوسکا کہ مواد ترتیبی ایک وقت مین پیش نظر نہین تھا، مدتون ان بکھرے ہوے موتیون کے لئے لائق ایڈیٹر کو جانے کہان کہان کی خاک چھاننی پڑی، اسکے سوا مختلف اشخاص سے مولانا کے روابط کی نوعیت بھی جداگانہ تھی، کسی ایک سلسلہ یا موضوع خاص کی تحریرین تاریخی ترتیب سے "خواب پریشان" کی طرح منتشر ہوجاتین، جس سے وہ موزونیت جواب ہے باقی نہین رہ سکتی تھی، بہرحال اردو لٹریچر مین میرا خیال ہے یہ ایک قیمتی اضافہ ہے، اور چونکہ مولانا کی تصنیفات کی طرح ان مین بھی "انشا پردازانہ فصاحت وبلاغت" موجود ہے، اسلئے دار المصنفین کے "خوان ادب"، کا یہ وہ لطیف حصہ ہے جسے آپ لائٹ لٹریچر کہہ سکتے ہین، اسمین ابھی بہت کچھ اضافہ کی گنجائش ہے، اور ہم امید کرتے ہین، ہماری سوسائٹی تیسری جلد کے سامان کی فراہمی مین کافی دلچسپی کا اظہار کریگی،

اسی سلسلہ مین ایک اضافی کام اور ہمارے کرنیکے لائق ہے، یعنی ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے شبلی کی یادگار مین ہمکو خیام کی رباعیات کا ایک نفیس ایڈیشن شایع کرنا ہے، ہمکو خواجہ حافظ کے ساتھ بڑھی ہوئی حسن عقیدت کے مقابلہ مین غریب خیام کے وجوہ حق تلفی پر غور کرنا ہوگا، مشرقی اقوام نے مذہب سے علیحدہ ہوکر کبھی زندگی پر نظر نہین ڈالی، خیام کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ زندگی کے صرف اس حصہ سے غرض رکھتا ہے جو "از گہوارہ تا گور" سے آگے نہین بڑھتی، کیا یہ الحاد ہے؟ قطعاً نہین، مذہبی مذاق بالخاصہ موجودہ زندگی کو اگرچہ غلط نہین سمجھتا تاہم اسکا میلان طبعی یہ ہے کہ اصلی زندگی کا آغاز قبر کے

سا بجے مین ڈھلنے کے بعد ہوتا ہے، لیکن خیام جو کچھ سامنے ہے، یعنی مادی زندگی سے قطع نظر کرنا نہین چاہتا، اسکا دائرۂ موضوع ہستی موجودہ یعنی "نقد ہے" "ادھار" نہین، یہ بھی صحیح نہین کہ وہ اپیکورین فلسفہ کی کورانہ تلقین یعنی صرف ایک طرح خوش عیشی سکھاتا ہے، اخلاقی تعلیم کی بڑی سے بڑی غایتہ یہ ہے کہ وقت موجودہ سے جہانتک ممکن ہے جائز استفادہ کا کوئی پہلو رہ نہ جاے، خیام بھی یہی کہتا ہے کہ "کل" جو گذر گئی، بیکار سی چیز ہے جو آئیگی وہ غیر اختیاری ہے، زندگی "آج" صرف آج کا نام ہے،

ایشیا نے خیام کے ساتھ افراط سنجیدگی سے ہمیشہ بے اعتنائی کی، بیچارہ یورپ کے ہاتھون جی رہا ہے، ہمکو اس سرد مہری کی تلافی کرنی ہے، سب سے پہلے فٹز جیرالڈ کی نظم کو اردو مین لینا ہوگا، ہمارے پاس کافی مواد موجود ہے، جس سے ہم یہ بتا سکینگے لائق ہونگے کہ اسکے خیالات کا ماخذ کیا ہے، یعنی خیام کے سوا اس نے اپنے سلسلۂ خیال مین اور کس کس سے فائدہ اٹھایا ہے، اصلی کام یہ ہوگا کہ خیام کا آکسفورڈ ایڈیشن جو غالباً سب سے قدیم نسخہ ہے اور جسمین رباعیات کا فوٹو لیا گیا ہے، اردو ترجمے اور حواشی کے ساتھ ملک کے سامنے پیش کیا جائے، اس اشاعت کی امتیازی خصوصیت یہ ہوگی کہ خیام کے فلسفۂ زندگی پر، سوسائٹی کے "عالم نفسیات" کا تفصیلی ریویو ہوگا، اور کیا تعجب ہے اس سلسلہ مین ہم اسپر بھی غور کرسکین کہ خیام کی شراب انگوری کھنچ کھنچا کر شراب معرفت کیونکر بنی؟، اس پہلو سے ہم تصوف کے ان مسائل پر ایک نظر ڈال سکین گے جو براہ راست علم النفس کی زد پر ہین، اور کچھ نہ کچھ اس راز کی عقدہ کشائی ہوسکیگی، جسکی وسیع الکیفی کی لائق رشک خصوصیت یہ ہے:-

"منکرِ مے بودن و ہم رنگ مستان زیستن"!

سب سے آخر مگر در اصل کسی سے پیچھے نہین، مولانا کی فارسی اور اردو نظم کو یکجا کرنا ہی

جو باوقات مختلف ٹکرے پارچے ہوکر چھپتی رہین، بہت سی پھول پتیان ہین جنکے اجزاے پریشان بکھرے ہوے ہین اور جنمین کوئی ہیئت مجموعی نہین،

کسی نازنین کی زلف عنبرین جو شانون پر بکھرتی ہوئی حسن انتشار کے ساتھ کمر سے نیچے جا پڑی ہو، کیفیت سے خالی نہین ہوتی، لیکن "گرہ شب"[۵] یعنی جوڑے کی بندش اس سے زیادہ دلکش اور خوش ترکیب ہوتی ہے، ضرورت ہی کہ اوراق منتشر کا ایک گلدستہ بنایا جائے یہی کی نازکخیالیان گویا ہیری جوانی کے قصّے ہین جو مولانا کی زبان سے ادا ہوئے

آپ داد دین یا نہ دین، شاعر کو بالکل اسکا احساس نہین، اسکا عالم خیال خود ایک دنیا ہی ذرا جذبات کا تموّج دیکھیگا، سمندر کے کف سے ایک پری نکلی ہے، لیکن بالکل عریان، جسکے بالون سے قطرات آب موتی کی طرح ٹپک رہے ہین، اسکے نازک سے ہاتھ مین ایک ساغر شراب ہے، وہ شاعر کی طرف بڑھتی ہے عنبر بکھیرتی ہوئی، یاقوتی ہونٹھون پر ایک معنی خیز تبسّم ہے، نازکخیالی جسکی بلائین لے رہی ہے، ذرا شاعر کی کافرادائی دیکھیئے شراب کبھی منھ سے نہین لگی، صرف زبان پر چڑھی تھی، لیکن اس نے چھلکتا ہوا جام دفعتاً خالی کردیا!

چھلکائین بھر کے لاؤ گلابی شراب کی ۔۔۔ تصویر کھینچین آج تمہارے شباب کی

کہین یہ "آب حیات" تو نہین تھا؟

بہرحال جس نازکخیال اور نفیس المذاق نے عجم کی شاعری کو اپنے زور قلم سے زندہ

---

۵۱ ہم کردہ موے بصد پیچ و تاب ۔۔۔ گرہ داد شب را بسر آفتاب

۵۲ "مصنف کی داد"۔ یہ خیال ایک نہایت حسین مرقع کے ذریعہ سے ادا کیا گیا ہی جسمین مغربی آرٹسٹ نے اپنا کمال فن دکھایا ہے،

کیا ہو، اسکے کلام کی ترتیب کم ضروری نہین، یعنی کلیات شبلی کے ایک خوبصورت ایڈیشن کی اشاعت ناگزیر سی ہے اسمین وہ اخلاقی اور سیاسی نظمین بھی ہونگی جو "کشافیات" کے پردہ مین "الہلال" مین وقتاً فوقتاً نکلتی رہین، یہ ترتیب تاریخی حیثیت ہوگی، جس سے مولانا کی شاعری کی تدریجی رفتار اور اسکے ارتقاے نفسی کا اندازہ ہوسکیگا یہ خیالات جنکے اظہار مین جلدی کر رہا ہون "شبلی سوسائٹی" کے دایرۂ مقاصد سے باہر نہین ہین، لیکن ابھی اصل مسئلہ کی طرف توجہ کرنی ہے، میری غرض ان محرکات سے ہے جن سے کسی طرح تعلیم یافتہ طبقہ اردو کا شیدائی بنایا جاسکے، تصنیف و تالیف کی چندان فکر نہین کہ نہین نہین پر بھی کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے، "انجمن اردو" نے بعض لاجواب اور قیمتی کتابین شایع کین اور اسکا آیندہ نظام عمل (پروگرام) بھی وسیع لائنون پر ہے، دار المصنفین بھی اپنا درجہ قائم رکھنا جانتا ہے، اور خواص کی پھانس کے لئے "لقمۂ ماہی" طیار رکھتا ہی لیکن سچ یہ ہے کہ ان اوسون پیاس کا بجھنا آسان نہین، یعنی ہماری علمی تشنگی کے لحاظ سے برف مین لگی ہوئی چند بوتلین کافی نہین ہین، مگر اب کہ ہز ایگزالٹڈ ہائینس فرمانرواے[1] دکن کے سایۂ عاطفت مین "عثمانیہ یونیورسٹی" قائم ہو رہی ہے، اردو کا دایرۂ اثر بہت بڑھجائیگا، یہ فیاضانہ اسکیم اگر "سرخ فیتے" یعنی جنکے ہاتھون مین انتظام ہی آشنا نہ ہوکر خوش سلیقگی سے چلائے تو باوصف اسکے کہ ابتداءً ایک مقامی تحریک ہوگی، اردو کی وسیع قلمرو مین اسکا اثر برقی رو کی طرح دوڑ جائیگا، اور یہ ایک ایسا چشمۂ جاریہ ہوگا جسکی شاخین ملک کے

[1] آمد سخن کا ایک اضطراری تصرف ہے، لیکن اگر رائلٹی یورپ کی اودی رگون کی روانی خون کے ساتھ مخصوص نہین ہی تو کوئی وجہ نہین ہی کہ "مشرق کے سب سے بڑے شہزادے" کیلئے جو اپنے وسیع ذرائع مالی و اقتصادی کے ساتھ اپنے لائق رشک سن و سال کے لحاظ سے دنیا کی بہتیرے تاجدارون سے کم نہین ہی "تمغۂ شاہی" انتساب کیون نہ جائز رکھین

ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہونگی، بشرطیکہ ہم وقت سے فائدہ اٹھا سکے اور اس وسیع الاثر تجویز کے نتائج کو متفقہ کوشش سے وقف عام کر سکے،

آج ہم مین بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ صرف خوشوضعی (فیشن) پر جان دیتا ہے اسکا لباس متمدنہ (کوٹ پتلون) اسکی امتیازی زندگی کا ایک ایسا مظہر ہے، جس سے وہ باوصف کم استطاعتی قطع نظر نہین کر سکتا، اسکی لطافت خیال نئی وضع کے دوہرے کالر مین ریشمی ٹائی کی چھپتی ہوئی نشست سے آگے نہین بڑہتی، گلے کی اس "بندش" کا تلازمہ اگر کہین ہمرنگ موزے اور رومال سے ہوگیا، پھر تو اسکے تخیل کی تکمیل کے لئے موجودہ دنیا مین کوئی حالت منتظرہ باقی نہین رہتی، آپ یہ نہ سمجھین مین اس خوش لباس حیوان ناطق کو اول درجہ کے معیار سے گرا کر آدم کی ابتدائی پوشش پر لانا چاہتا ہون میری غرض صرف یہ ہے کہ یہ طبقہ جس طرح ظاہری ٹھاٹھ کا گرویدہ ہے، دماغی آلائش بھی اسکا مطمح نظر ہوتی، اور یہ اردو لٹریچر سے اتنا مانوس ہوسکتا کہ ادبی رنگ رچکر نکھر جاتا، جس سے قوم دنیا مین آبرودار ہوکر رہتی،

آج ہماری سیاسیات کی جو کچھ حالت ہے ظاہر ہے، ہماری "اقلیت" انتشار ذرات کی حیثیت سے قوی تر عناصر مین بتدریج جذب ہوتی جاتی ہے اور ہم ظاہرا بہت کچھ ابھرتے نظر نہین آتے، بیشک جو مطالبے گورنمنٹ سے کئے جاتے ہین وہ ملک کے قدرتی حقوق ہین، لیکن جب تک فاتح و مفتوح کی زبان و مذہب اور قومیت ایک نہو گورنمنٹ کے فرد عمل (پالیسی) مین ہمارے جذبات کی کہانتک رعایت ہوسکتی ہے لیکن خیر اسکی مشکلات سے قطع نظر کیجئے، کیا اس بدنصیب براعظم مین سیاسی مصالح کی بناپر سہی کوئی متحدہ قومیت کی روح موجود ہے یا کبھی ہوسکتی ہے ؟

مسلمانون نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ آئے تھے حکومت کرنے لیکن اس طرح جمکر رہ پڑے جیسے کوئی خانہ برباد، پردیس مین اگر بات بنگئی تو رئیس بنجاتا ہے، اس غلطی کی تلافی تو اب ہوچکی، لیکن سوال یہ ہے کہ سات کروڑ اشرف الموجودات جنمین کوئی ہیئت مجموعی نہین، ہمارے کس کام کے ہین؟ ہندوستان کی اصلی قوم ہمکو اضافی اور خارجی عنصر سمجھتی ہے، غیر جگہ ہمارے پھیل پڑنے سے یہی نہین ہوا کہ ہم نے اپنی اصلیت اور یکرنگی کھوئی، بلکہ اپنے ساتھ انکو بھی لے ڈوبے جنکا یہ اصلی وطن تھا اور جو انکی مختص النوع اغراض کے لحاظ سے درصل انکے لئے خلاصۂ دنیا تھا،

آج آپ ایک جداگانہ قوم(؟) کی حیثیت سے اپنی گذشتہ روایات (؟) کی بناپر خاص خاص مراعات چاہتے ہین، لیکن اگر اصلی قوم مین گھل مل بھی جائیے یعنی خوش ذائقہ "بریانی" سے دستکش ہوکر "کچی رسوئی" پر آرہئے تو نتیجہ اسکے سوا کیا ہونا ہے کہ شرکت کی ہانڈی چوراہہ مین! بہرحال فضاے امید کسی رخ سے دیکھئے غیر حوصلہ افزا ہے،

لیکن اس دورِ حریت مین اگر آپ اپنا ادب (لٹریچر) بھی کھو بیٹھے تو تاریخ آگے چلکر آنکھین دکھائیگی کہ ترقی تو خیر جس نقطہ پر ہمکو اپنی روایات سابقہ کی بناپر قائم رہنا تھا وہان بھی نہ ٹھہر سکے، آجکل کی جنگی اصطلاح مین، ادبی حیثیت سے ہماری یہ "شاندار پسپائی" آیندہ دنیا کے لئے واقعۂ عبرت ہوگی،

کسقدر غیر منطقی خیال ہے کہ ہم برادران وطن سے یہ چاہتے ہین کہ وہ اُردو کو ہماری طرح اُوڑھنا بچھونا بنائین، وہ خوب سمجھتے ہین کہ کوئی قوم اسوقت تک اپنے لئے "مستقل" نہین پیدا کرسکتی جب تک اسکی ابتدائی رفتار کی بناء اساسی منازل ارتقائی کے سلسلہ مین اسکی گذشتہ عظمت پر نہ رکھی گئی ہو، یہی گذشتہ عظمت ہے جو کسی قوم مین

ہیئت مجموعی پیدا کرتی ہے، ہندی کے قومی زبان بنانیکا راز یہی ہے جو بھولے مسلمانون کے سمجھ مین نہین آتا، خوب یاد رکھئے ہندی مسئلہ کی تجدید چند تاریک خیال دیہاتیون کے مخروطی دماغ کی جدت آمیز اختراع نہین ہے، بڑے سے بڑا روشن خیال اور تعلیم یافتہ ہندو بھی اس زبان سے دست بردار نہین ہوگا جسکو وہ اپنی قوم کی "اسپرٹ" دیکھنا چاہتا ہے، یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جسکے گرد اسکی متحدہ قومیت کے تمام مفردات ایک ایک کرکے حلقہ زن ہونگے،

مسلمانون کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ فرمیسنون کا سا ایک راز ہے جو سینہ بسینہ منتقل ہو رہا ہے، اور پاس کے پاس ہمکو کچھ خبر نہین ہوتی، ہندی کے دبے پاؤن[ف] گھسنا نہایت مستقل ترقی درصل اردو کے گلے کی چھری ہے جو ایکدن اسکا خون کرکے رہیگی، حکومت بھی رنگ غالب کا ساتھ دیگی، اسلئے مین عرض کئے دیتا ہون کہ اگر مسلمانون کی یہی غفلت رہی تو زیادہ نہین پچاس برس کے بعد آپ جانتے ہین کیا ہوگا، اردو کا وہی رنگ ہوگا جسکا ایک دھندلا سا خاکہ حال مین "ہمدم" کے لائق اڈیٹر نے پیش کیا تھا کُفر، وہ بھی کعبہ مین! لکھنؤ اردو کا گہوارۂ طفلی نہین بلکہ اسکا عشرتکدۂ شباب رہا ہے، لیکن وقت کی بات ہے جس چیز پر ہمکو ناز تھا، جو ہمارے لئے گرمی محفل کے سامانون مین نہین بلکہ شرط زندگی تھی، آج سرے سے اسکا وجود ہی معرض خطر مین ہے، اگر ہندی نے رفتہ رفتہ ہاتھ پاؤن نکالے تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے وضعدار بیویون مین بڑے پائنچون کی جگہ جو خوش ادائی سے کھونسے جاتے ہین گاڑہے، گزی کی ساریون کو رواج دیا جاے

[ف] مین یہ لکھ رہا ہون کہ دفعتہً ہندی لٹریری کانفرنس کی خبر آئی جسکی پہلی نشست مین صرف ایک رئیس نے دس ہزار دیدیئے، مقاصد کے لحاظ سے اسی ناگری پرچارنی سبھا کا تخت روان سمجھئے۔

جسے دیہات کی کثیف عورتین نصف ساق تک لپیٹ لیتی ہین،

منھ پر آئی ہوئی بات رکتی نہین، اور مین سلسلۂ گفتگو مین آپسے جانے کیا کیا کہنا چاہتا ہون خاصکر اس خیال سے کہ جہان آواز کی رسائی نہین، تحریر قاصد دل کی وکیل بن سکتی ہے، مختصر یہ کہ یاران وطن نے اردو کو لنگوٹی بند ہوادی ہوتی، لیکن کثرت یاس کبھی اُمید کا پیش خیمہ بنجاتی ہے، دفعتاً واقعات نے کروٹ لی، اور اردو جو کل تک کس مپرسی کی حالت مین تھی، آج شاہی دائرہ نظر مین ہے، جو ہنر مندون کے رہنے والی اور محلون کا خواب!

بات بنتے کچھ دیر نہین لگتی، اس غیر متوقع اعزاز کے ساتھ اسکی آبرو کا نباہ جیسا بارہا کہہ چکا ہون، ہمارے نوجوانون کے ہاتھ مین ہے، اسکی چلتی ہوئی تدبیر یہ ہے کہ جدید تالیفات کے سوا جو پڑھنے کے لائق ہون، حکماے ادب کی تصنیفات[۱] ایک ایک کرکے پیش نظر کیجئے، جس طرح صوفیہ کو تزکیہ نفس کے سلئے ریاضات شاقہ کے سلسلہ مین بہتیرے "مقامات" طے کرنے پڑتے ہین، آپکے وظائف عمل کے لئے "عناصر خمسہ" کے انجمن دن نظر کا ایک دفعہ جما لینا کافی ہوگا، اسی لئے سب سے پہلے آپکو "فلسفۂ عشق" یعنی شعر العجم کی چاٹ پر لگانا چاہتا ہون، یہ تو فرائض ہوے، نوافل مین معارف کا ورد ماہوار ناگزیر ہے اور یہ شبلی سوسائٹی کی سب سے پہلی اور ضروری خصوصیت ہوگی،

آجکل کے دور سرفروشی مین کیا سات کروڑ مین سات لاکھ نہین، سات ہزار نہین، سات سو "رضا کار" فدایان سخن بھی نہین ملسکتے، جنکی زندگی کا بہترین تخیل "معشوقۂ ادب" کی پرستش کے سوا کچھ نہین جسکا حسن افسردہ سفارتی ہے کہ بے التفاتی کی جگہ گرویدگی ہے

[۱] میری غرض آزاد، سرسید، نذیر احمد، اور حالی و شبلی کی تصنیفات سے ہے، متاخرین مین بھی ارواح قدسیہ ہین جنکو موجودہ لٹریچر کی خلاقی مین جہانتک طبقۂ اعلیٰ کا تعلق ہو سب سے زیادہ دخل ہے،

پیش آئے، یہ جہان چاہنے والیکے گلے کا ہار بننے کو طیار ہے، ہر شخص کے قابو مین آنے والی چیز نہین، اس پاکیزہ دستی کے ساتھ جدت یہ ہے کہ بڑھی ہونے والی نہین، یعنی شراب کی طرح کہ جتنی پرانی ہو باکیف ہوتی ہے، اسے بہار بیخزان سمجھیے، اس سے زیادہ آپکے جذبات کی رعایت کیا ہوگی،

کل کی بات ہے، مسلمان اپنے ادب (لٹریچر) کے سب سے زیادہ دلدادہ تھے، یہ جذبۂ متوارث آپنے کہان کھویا! کیا یہ آپکی عزت نفس پر حرف لانیوالی بات نہین کہ انجمن ترقی اردو اور دار المصنفین کی ٹکسالی (اسٹینڈرڈ) تصنیفات کی دو چار سو جلدین بھی سال مین نہین نکل سکتین اور گرد خوردہ اوراق الماریون کی جہانی کا بوجھ رہتے ہین، دنیا کی تاریخ مین آپ کوئی قوم دکھا سکتے ہین جس نے مانگے تانگے کی نہین اپنی مادری زبان سے بے نیاز رہکر کبھی ترقی کی ہو، ترقی تو خیر مجھے کہنا چاہیئے دنیا مین باقی رہی ہو، ان نکات کو آپ مجھسے بہتر سمجھتے ہین، ضرورت جو کچھ ہے یہ ہے کہ آنکھین کھول کر دیکھیے، وقت کا فتویٰ کیا ہے، ضایعات کی تلافی گو آسان نہین، لیکن تریاق غلط کاری کو آزما تو دیکھیے، اس گئی گذری حالت مین بھی اگر آپ دل پر رکھ لین تو اپنی گذشتہ روایات کا زندہ کرنا بڑی بات نہین،

ذوق علمی شراب کا سا چسکا ہے کہ ایک دفعہ جہان منھ لگی پھر نہین چھوٹتی، مین آپکے لئے اسے حلال کئے دیتا ہون خود شوق کیجیے اور اپنے حلقہ ہائے اثر مین اس مذاق کو چمکائیے، صرف شرط یہ ہے کہ ایک کے ہو رہیے، اور اس طرح اس شغلہ کو چھیڑیئے کہ اغیار بھی کہہ اٹھین:

خدا ہر دے تو سودا دے تری زلف پریشان کا　　جو آنکھین ہون تو نظارہ ہو تیرے سنبلستان کا

خیام کا شبلی ایڈیشن جب شائع ہوگا ہمکو اسکے الفاظ یاد رکھنے چاہئیں کہ زندگی آج اور
صرف آج کا نام ہے،

"شبلی سوسائٹی" کے مقاصد کی باقاعدہ تفصیل، اسکا نظام ترکیبی، اور وہ جزئیات
جن سے خیام کلب کی طرح ارکان سوسائٹی ادبی اخوت کی سلک ریشمی مین منسلک
ہوسکین، حیدرآباد کی بزم ادب کے لائق افراد کا موضوع آیندہ ہوگی،

ایم - مہدی حسن،

اخبار و سیر

ابو الفدا کے حالات خود ابو الفدا سے

(۱)

از جناب مولوی سعید صاحب انصاری رفیق دار المصنفین

اسلام مین تیغ و قلم ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے ہین اور یہی وجہ ہے کہ بزم کے مسند نشینون
کی طرح ان لوگون نے بھی اپنی قلمی یادگارین چھوڑی ہین جنکے دست و بازو میدان جنگ مین
ہمیشہ نبرد آزما تھے، مظفر باللہ تجیبی (والی بطلیوس) ابراہیم عادل شاہ (والی بیجاپور)
سلطان محمود، داراشکوہ، جہانگیر، اور سلطان سلیم خان والی روم وغیرہ ان مین سے ہر ایک نے
مادی فتوحات کے ساتھ اس اقلیم کے فتح کرنیکی کوشش بھی کی ہے جسکو عقل اور دماغ کے
الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس میدان مین اکثر ونکو ناکامی
ہوئی، اور باین ہمہ جد و جہد انکو بقاے دوام کے دربار مین وہی جگہ حاصل ہو سکی
جسکا انھون نے اپنے کو مستحق ثابت کردیا تھا،

لیکن اس تمام جماعت مین ایک ایسا خوش نصیب بھی موجود ہے جو علم اور دولت
دونون کا برزخ ہے، وہ ایک طرف قلعہ گیر اور صف شکن ہے تو دوسری طرف صاحب
اور عقدہ کشا، ہماری مراد اس سے الملک المؤید عماد الدین اسماعیل صاحب حماۃ سے ہے
جسکو علمی دنیا "ابو الفدا" کے مختصر نام سے یاد کیا کرتی ہے،

ابو الفدا نے اپنی تاریخ کی وجہ سے جو شہرت حاصل کی وہ ان تمام گذشتہ ناموں کی
شہرت سے زیادہ دیرپا ہے، لیکن باین ہمہ تذکرہ نویسون نے اسکے حالات لکھنے مین

حد درجہ بخل سے کام لیا ہی، فوات الوفیات کے مصنف نے جو کچھ لکھا ہے، وہ صفحہ دو صفحہ سے زیادہ نہین، اور وہ بھی اسکے اشعار اور بعض واقعات زندگی ہین، جو نہایت سادہ اور سرسری طور پر بیان کردیئے گئے ہین، طبقات الشافعیہ کا بھی یہی حال ہے، مستشرقین یورپ نے باایں ہمہ کہ ابوالفدا کی تاریخ کو کئی بار چھاپا لیکن جہانتک ہمکو علم ہے انھون نے بھی اس جانب سے بے التفاتی ظاہر کی، چنانچہ جان جاک ریسک (Reiske) المتوفی ۱۷۷۴ء نے ابوالفدا کا لاطینی زبان مین ترجمہ کیا، اسپر حاشیے لکھے لیکن انھون نے مصنف کے حالات سے بالکل تعرض نہین کیا، ڈی ورجرس (Des Vergers) فرانسیسی المتوفی ۱۸۶۷ء نے اسکی تاریخ چھاپکر شایع کی تھی، لیکن اسمین بھی اس طرف سے بالکل بے نیازی برتی گئی، فلایسچر (Fleischer) المتوفی ۱۸۸۸ء نے اسکا کچھ حصہ شایع کیا اور رناڈ (Reinaud) المتوفی ۱۸۶۷ء نے اسکی دوسری کتاب تقویم البلدان فرانسیسی مین ترجمہ کرکے عربی متن کے ساتھ چھاپی، لیکن یہ لوگ بھی اسکے حالات سے ساکت رہے، لیکن ان لوگون کے سکوت سے ابوالفدا کی لائف پر کوئی اثر نہین پڑسکتا کیونکہ اسنے اپنی زندگی کے ہر مرحلہ مین ایسے روشن و درخشان آثار چھوڑے ہین جو گنبد دوار کی سینکڑون گردشون اور زمانہ کے ہزارون انقلابات کے باوجود فنا نہین ہوسکتے،

ابوالفدا نے اپنے حالات خود اسقدر تفصیل، اسقدر وضاحت اور اسقدر جامعیت کے ساتھ لکھدیئے ہین کہ اسکو دوسرون کا دست نگر نہین ہونا پڑا، دنیا کے بہت لوگ اپنے قیام وبقا مین دوسرون کے محتاج ہوتے ہین، لیکن ابوالفدا، خود اپنا محتاج اور اپنی حیات کا آپ ضامن ہے، اس بنا پر ہم خوش ہین کہ ابوالفدا کی سوانح ہم ناظرین کو غیرون کی زبان سے نہین بلکہ خود اسکی زبان سے سنارہے ہین،

نام ونسب جیسا کہ ابوالفدا نے خود تصریح کی ہے، اسکا نام اسماعیل تھا، جمادی الاولی ۶۷۲ھ مین بمقام دمشق ابن الزنجیلی کے مکان مین پیدا ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ تاتاریون کے خروج کی خبرین بلاد شام مین پھیل رہی تھین، اور لوگ سراسیمگی کے عالم مین اپنی اپنی حفاظت کا سامان کررہے تھے، چنانچہ ابوالفدا کا خاندان بھی انہین وجوہ سے حماۃ چھوڑکر دمشق چلا آیا تھا[1]

ابوالفدا نسلاً صلاح الدین اعظم فاتح بیت المقدس کا ہم نسب اور خانوادۂ شاہنشاہ بن ایوب کا چشم وچراغ ہے، اسکا سلسلہ نسب یہ ہے، اسماعیل بن علی ابن محمود بن محمد بن عمر بن شاہنشاہ بن ایوب، خاندان ایوب اور خصوصاً سلطان صلاح الدین نے ممالک اسلام کو اغیار کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لئے جیسی عظیم المرتبت اور کثیر قربانیان کی ہین وہ اسلام کی تاریخ مین نہایت جلی حروف سے لکھی گئی ہین، اور اس وجہ سے یہ مقدس خاندان مسلمانون مین کسی مزید تعارف کا محتاج نہین ہی، ابوالفدا کے پرجوش اور مقدس بزرگون نے اسلامی ممالک کے وسیع حصون مین اپنے آثار و یادگارین اس کثرت سے چھوڑی ہین کہ اگر انکی تفصیل وتشریح کیجائے تو اسکے لئے خود ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، انکی زندہ اور غیرفانی ہستیون کا ثبوت نہ صرف اسلامی تاریخون کے ابواب وفصول مین پنہان ہے، بلکہ عربستان، شام، اور مصر کا چپہ چپہ اور موجودہ حلقہ بگوشان عیسویت کا ہر فرد انکے وجود کی شہادت مین ابتک اسی طرح لب کشا ہے، جس طرح کہ قرون متوسطہ، کی صلیبی جنگون مین میدان سیر یا کے خیمہ وخرگاہ اور انگلینڈ و فرانس کے رچرڈ اور لوئی![2]

[1] تاریخ ابوالفدا صفحہ ۸ جلد ۴۔

[2] رچرڈ انگلینڈ کا اور لوئی فرانس کا بادشاہ، یہ دونون بیت المقدس کے حملہ مین شریک تھے،

ابوالفدا کے مورث انہین سلاطین ایوبیہ کے ابن عم، اور انکے نہایت قوی
دست و بازو تھے، چنانچہ عمر بن شاہنشاہ بن ایوب کو سلطان صلاح الدین نے اسکے
خدمات جلیلہ کی عوض مین فرات سے لیکر شام کے بعض شہرون تک کا علاقہ جسمین حماۃ
بھی داخل تہا، جاگیر کے طور پر عطا کیا تہا[1]، عمر کے بعد یہ جاگیر مختلف اوقات مین گھٹتی
بڑہتی رہی، یہانتک کہ الملک المظفر تقی الدین محمود (ابوالفدا کے ابن عم) کی وفات پر
جو ۶۹۸ھ مین واقع ہوئی خود حماۃ بھی قبضہ سے نکل گیا،

یہ واقعہ چونکہ اس خاندان کا نہایت اہم واقعہ تہا، اسلئے ابوالفدا نے اپنی تاریخ
مین اسکے لئے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے، حماۃ کے نکلجانے سے جو اس خاندان کا
دارلریاستہ تہا، کچھ دنون تک یہ گھر حکومت سے بالکل محروم ہوگیا، اسکے ساتھ ہی الملک المظفر
کا مکان اور ترکہ بھی چھین لیا گیا اور انکے بال بچے قراسنقر جوکندار کے تحت مین دیدئے گئے
جو انسے مختلف کام لیا کرتا تہا، اسوقت اس خاندان کی حالت نہایت ردی ہوگئی تھی
اور ابوالفدا، کے قول کے مطابق جو اسوقت خود بھی موجود تہا، یہ تمام لوگ بالکل مفلس
اور قلاش ہوگئے تھے[2]، تاہم کچھ دنون کے بعد مصر سے امراء حماۃ کے نام فرمان بھیجے کہ
جسمین لکھا تہا کہ ہر خاندان کی جائدادین اسکے قبضہ مین چھوڑ دیجائین، چنانچہ اسی کے
مطابق اس خاندان کے پاس بھی جو اراضی تھی وہ اسکے قبضہ مین بحال رکھی گئی،

ابوالفدا کا باپ جسکا نام نورالدین علی اور لقب الملک الافضل تہا، سلطان مصر کی
بارگاہ مین بہت مقرب تہا، ربیع الآخر ۶۸۸ھ مین جب طرابلس الشام پر فوجکشی ہوئی
تو اسمین شریک تہا[2]، ذوالقعدہ ۶۹۲ھ مین سلطان مصر (الملک الاشرف بن قلادون) کا

[1] ابوالفدا، صفحہ ۷۹ و ۸۰ جلد ۳، [2] ایضاً صفحہ ۳۳ جلد ۴،

فرمان پہنچا کہ اب شکار کا زمانہ آگیا ہے آپ مصر آیئے،، چونکہ علی کو شکار کے فن مین بہت
مہارت تھی، اور چیتے کا شکار خوب کہیلتا تہا، اسلئے روانگی کا سامان کیا، اور سیدھے
حلب سے دمشق کی طرف چلا، راستہ مین بیمار ہوا، دمشق پہنچتے پہنچتے مرض اور ترقی کرگیا،
مجبوراً فصد کھلوائی، لیکن اس سے نقاہت اور بڑہگئی، اور اوائل ذوالحجہ مین انتقال
کرگیا، جنازہ حماۃ لاکر دفن کیا گیا،

الملک الافضل نے تین لڑکے چھوڑے جو اسوقت حلب مین اپنے ابن عم الملک المظفر
والی حماۃ کے پاس تھے، یہ خبر پہنچی تو سخت مغموم ہوے لیکن الملک المظفر کے حسن سلوک نے
سب کا غم غلط کردیا[1]،

بچپن اور سن رشد

چونکہ ابوالفدا نہایت منکسر المزاج مصنف ہے اور وہ اپنے کو نہایت
التزام کے ساتھ "العبد الفقیر" کہنے کا عادی ہے، اسلئے وہ اور مغرور مصنفین کی طرح اپنے کو
ہر جگہ نمایان نہین کرتا، وہ صرف انہین واقعات کو لکھتا ہے جنمین درحقیقت وہ نمایان بھی تہا
یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ولادت کے ذکر کے بعد ۱۱ برس تک بالکل خاموش ہوجاتا ہے،
اور جب سنہ ۱۱ھ مین اسکے سر پر چتر حکومت سایہ کرتا ہے تو دفعتہً تمام کتاب اسکے ذکر سے
لبریز نظر آتی ہے،

کتاب طفولیت مین تعلیم و تعلم کا عنوان ہر شخص تلاش کرتا ہے، اور ہمین افسوس ہے کہ
ابوالفدا اس ذکر سے بالکل خاموش ہے، گیارہ برس کی مدت جسمین واقعات کا سلسلہ
منقطع نظر آتا ہے، غالباً پڑھنے پڑھانے مین لبسر ہوئی ہوگی، اور چونکہ ابتدا ہی سے قابلیت کے
جوہر نمایان تھے اسلئے اس قلیل زمانہ مین اس نے بہت کچھ سیکھ لیا ہوگا،

[1] ابوالفدا صفحہ ۲۹ جلد ۴،

سنہ ۶۸۳ھ مین وہ تاریخ کے صفحات پر پہلی مرتبہ ظاہر ہوتا ہے، یہ وہ زمانہ ہے جبکہ اسکا چچا الملک المنصور انتقال کرتا ہے اور حماۃ کی حکومت الملک المظفر کو ملتی ہے، اس موقع پر بارگاہ سلطانی سے جو خلعت آئے تھے ان مین سے ایک ابوالفدا نے بھی پہنا تھا[۱]،

اس واقعہ کے ایک سال بعد جب وہ بارہ برس کا تھا، اپنے والد کے ساتھ جنگ مرقب مین شریک ہوا، یہ قلعہ حد درجہ بلند اور مستحکم تھا، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بقول ابوالفدا "سلاطین سابق نے اسکے فتح کرنے کی کبھی ہمت نہین کی تھی"،

ابوالفدار کو گو میدان جنگ مین جانیکا یہ پہلا موقع تھا، تاہم ایک "شاہد عینی" کی طرح وہ اپنی راے ظاہر کرنے سے باز نہ رہا، چنانچہ اہل قلعہ کو سلطان کے امان دینے کی نسبت لکھتا ہے

"اور جب منجنیقون سے پتھر برستے برستے قلعہ کی دیوار مین چند گہین تو اہل قلعہ نے سلطان سے امان طلب کی، سلطان (قلادون) نے اسکی عمارت باقی رہنے کیلئے انکی درخواست کو قبول کیا کیونکہ اگر تلوار کے زور سے قلعہ فتح کیا جاتا اور عمارت گرادی جاتی تو اسکا از سر نو بننا کوئی آسان کام نہ تھا[۲]"،

سنہ ۶۸۸ھ ربیع الآخر کے مہینہ مین طرابلس (الشام) پر حملہ ہوا، اسمین ابوالفدا اپنے باپ اور ابن عم الملک المظفر والی حماۃ کے ساتھ شریک تھا[۳]،

عام حالات

ابوالفدا کی عمر کا اٹھارہوان سال تھا کہ سنہ ۶۹۰ھ مین عکا پر لشکر کشی ہوئی، اسوقت وہ دس آدمیون پر افسر تھا، اس معرکہ مین منجنیقین کثرت سے کام مین لائی گئین تھین، ایک منجنیق قد و قامت کے لحاظ سے اتنی بڑی تھی کہ سو گاڑون پر لادی جاتی تھی، اتفاق سے وہ حماۃ کے لشکر کے سپرد ہوئی، ہمارا ہیجدہ ۱۸ سالہ نوجوان بھی ایک گاڑی پر تھا اور اسکے

[۱] ابوالفدا صفحہ ۹ جلد ۴، [۲] ایضا صفحہ ۲۱ جلد ۴، [۳] ایضا صفحہ ۲۳،

گھسیٹنے مین کوشان تھا، اس زحمت، ابر باری، بیلون کی موت اور ضعف نے تمام لشکر کو کسلمند کر دیا تھا، عکا پہنچکر حملہ کی سختی سے اور بھی دشواریان پیش آئین اور آخر نہایت دقت سے شہر فتح ہوا، ہمارا مورخ اس موقع پر نہایت مسرور تھا، رومیون کی شکست مال غنیمت کی بہتات، اور چند فرنگیون کے قتل ہونیکا تذکرہ خوب مزے لے لیکر کرتا ہے اور عکا کی مسماری اور تباہی پر بے ساختہ اسکے قلم سے یہ بلیغ فقرہ نکلجاتا ہے[۱]،

ثم امر بمدینۃ عکا فہدمت الی الارض ودکت دکا،	پھر سلطان نے عکا کے متعلق حکم دیا اور وہ زمین کے برابر کرکے بالکل کوٹ دیا گیا،

سنہ ۶۹۱ھ مین قلعۃ الروم پر ارمنون سے لڑائی ہوئی، ابوالفدا اسمین موجود تھا اور ایک پہاڑ سے جنگ کا تماشا دیکھ رہا تھا[۲]،

سنہ ۶۹۲ھ مین اپنے باپ کے ہمراہ مصر گیا، باپ جنیجل نامی ایک مقام مین علیل ہوا، سلطان نے یہ دیکھکر حماۃ جانیکی اجازت دی، چونکہ مرض کی وجہ سے خود شکریہ کے لئے نہ جا سکتا تھا، ابوالفدا کو ایک تحریر دی اور اس نے اسکو سلطان کے روبرو پیش کر دیا[۳]،

اسی سنہ مین ابوالفدا کے باپ نے انتقال کیا، تقریباً ۵۰ برس کا سن تھا، تین لڑکے چھوڑے، اسد الدین عمر، بدر الدین حسن، (ابوالفدا سے تین برس بڑا تھا) عماد الدین اسماعیل، (ابوالفدا)[۵] یہ سب اسوقت حموی لشکر کے ساتھ حلب مین مقیم تھے، خبر پہنچی تو سخت پریشان ہوے، لیکن الملک المظفر نے تسکین دی، اور جب حموی لشکر حماۃ واپس آیا تو ابوالفدا کو طبلخانہ اور چالیس سوارون کی سرداری تفویض کی[۶]،

[۱] ابوالفدا صفحہ ۲۴ و ۲۵، [۲] صفحہ ۲۷، [۳] صفحہ ۲۸، [۴] صفحہ ۲۹، [۵] صفحہ ۵ و ۹، [۶] صفحہ ۲۹،

۶۹۷ھ مین حمص پر چڑہائی ہوئی، اسمین جو مال غنیمت آیا، اسمین سے ابوالفدا کو دو ارمن لونڈیان اور ایک غلام ملا تہا،[1]

۶۹۸ھ مین تاتاریون کے خروج کی اطلاع ملی، چنانچہ ابوالفدا بھی حموی لشکر کے ہمراہ روانہ ہوا، لیکن پھر الملک المظفر نے اپنے پاس حماۃ بلالیا،[2]

اسی سنہ مین ۲۲ ذوالقعدہ کو الملک المظفر نے تپ محرقہ کے عارضہ مین انتقال کیا ۴۱ برس ۱۰ ماہ کا سن تہا، افسوس ہے کہ ابوالفدا اپنی علالت کی وجہ سے اپنے اس محسن اور مایۂ ناز ابن عم کے پاس نہ پہنچ سکا، ابوالفدا کے دونون بہائی بھی وفات کے بعد پہنچے،

اب یہ بحث پیدا ہوئی کہ حماۃ کا کون والی ہو؟ لیکن یہ بات کسیکے بس کی نہ تھی، اسلیے سب خاموش ہو رہے، اور جب سلطنت کی طرف سے قراسنقر، حماۃ کا حاکم متعین ہوگیا تو خاندان ایوبی سے کچھ زمانہ کے لئے حکومت نکل گئی، قراسنقر نے ابوالفدا کے خاندان پر یہ ستم کیا کہ الملک المظفر کا مکان اور ترکہ لیلیا، اسکے علاوہ اور چیزین بھی چہین لین جس سے یہ خاندان بالکل تہیدست ہوگیا،[3]

لیکن پھر کچھ دن گذرنے پر مصر سے فرمان شاہی پہنچا کہ جائدادین انکے مالکون کے پاس علے حالہ باقی رہنا چاہئین، اس بنا پر اس خاندان کے پاس جو جائداد تھی بدستور باقی رہی، اور جب قراسنقر اور اپنے بہائیون کے اتفاق سے ابوالفدا سلطان کے پاس الملک المظفر کا کچھ سامان اور گھوڑے لیکر عسقلان گیا تو سلطان نے نذر قبول کرنیکے بعد اسکی اور اسکے بہائی بدرالدین حسن کی جاگیر مین اضافہ کردیا، اور خلعت سے عزت افزائی کی[4]

۷۰۱ھ مین زین الدین کتبغا والی حماۃ کے ساتھ ابوالفدا بلاد سیس پر حملہ کرنے گیا[5]

[1] ابوالفدا صفحہ ۳۵، [2] صفحہ ۴۱، [3] صفحہ ۴۱ و ۴۲، [4] صفحہ ۴۲، [5] صفحہ ۴۶،

۷۰۲ھ مین تاتاریون سے لڑائی ہوئی، اسمین ابوالفدا نے کوم نامی ایک مقام پر جنگ کی، اور مسلمانون کو فتح ہوئی، چند روز کے بعد تاتاری پھر پلٹے، اور خود حماۃ کے قریب آکر ڈیرے ڈالدیئے، اس موقع پر والی حماۃ نے محفہ نام ایک جگہ پر چلکر مقابلہ کیا، اور ابوالفدا کو شہر کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا، تاتاری یہان بھی آپہنچے، چونکہ ابوالفدا مین تاب مقاومت نہ تھی، اسلئے نہایت ہوشیاری اور عجلت کے ساتھ والی حماۃ کے پاس قطیفہ گیا، تاتاری بھی آگے بڑہے، والی حماۃ دمشق پہنچا تو وہ بھی پیچھے پیچھے تھے یہان اسلامی لشکر نہایت کثیر تعداد مین جمع تہا اور خود سلطان اعظم کے مصر سے آنیکی توقع تھی، اسلئے مقابلہ ہوا تو تاتاریون نے فاش شکست کہائی،[6]

والئ حماۃ (زین الدین کتبغا) اس مہم سے واپس آکر بیمار پڑا اور انتقال کرگیا، ابوالفدا نے اب خود اپنے لئے کوشش کی، لیکن چونکہ قاصد دیر مین پہنچا تہا اور سیف الدین قبجق کی نامزدگی عمل مین آچکی تھی، اسلئے سلطان نے چند تحفے دیکر قاصد کو واپس کیا، اور آیندہ حماۃ دینیکے لئے رضامندی ظاہر کی، سیف الدین حماۃ روانہ ہوا تو ابوالفدا نے عشر مین نکلکر استقبال کیا، دعوت دی، شکریہ پیش کیا اور حماۃ لاکر الملک المظفر کے مکان مین ٹھہرایا،[7] یہ ۷۰۳ھ کا واقعہ ہے،

ادہر شادی و مسرت کے یہ سامان تھے کہ جمادی الاولے کے مہینہ مین ابوالفدا کی چچی مونسہ خاتون نے وفات پائی، الملک المظفر والئ حماۃ کی یہ آخری یادگار تہین، صدقات وخیرات مین بڑی دریادل تہین، حماۃ مین خاتونیہ نام ایک مدرسہ قائم کیا اور اسپر بہت بڑی جائداد وقف کی تھی،[8]

[6] ابوالفدا صفحہ ۴۸، [7] صفحہ ۵۰، [8] صفحہ ۵۱،

اس سنہ کے اواخر مین بلاد سیس پر دوبارہ حملہ ہوا، چونکہ ابوالفدا اس زمانہ مین حجاز مین مقیم تھا، اسلئے اسمین شریک نہو سکا[۱]،

۷۰۹ھ مین حلب مین اسلامی لشکر جمع ہونا شروع ہوا، چنانچہ مصر سے امیر جمال الدین اقوش اور لاجین جاشنگیر کے ہمراہ دو ہزار سوار آے، دمشق سے حاجی بہادر ظاہری کے ساتھ کچھ فوج آئی حماۃ سے بھی کچھ فوج گئی جسکی سرداری ابوالفدا سے متعلق تھی[۲]،

اسی سنہ مین سلطان (الملک الناصر) مصر سے دمشق آیا، ابوالفدا نے اپنا غلام طقز تمر اور چند چیزین نذر بھیجین، سلطان نے نذر قبول کی اور کچھ تحفے روانہ کئے ساتھ ہی حماۃ دینے کا وعدہ کیا[۳]، دمشق سے واپسی پر سلطان نے مصر جاکر تیسری مرتبہ تاج پہنا، اسوقت اُسکے دربار مین شام کے اکثر روسا موجود تھے، جنمین ابوالفدا بھی تھا حموی لشکر کے روانہ ہونیکا وقت آیا تو سلطان نے ابوالفدا کو کچھ چیزین مرحمت کین اور حماۃ دینکی نسبت کہا کہ "اسمین بہت سی مشکلات حائل ہین، لیکن یہ وعدہ پورا ہوکر رہیگا"،

سلطان کو بعض مصالح سے نظام سابق کے بدلنے کی ضرورت ہوئی تو اس نے امیر قبجق کو حماۃ سے ہٹا کر حلب کا نائب السلطنۃ بنایا اور حماۃ کی حکومت حاجی بہادر ظاہری کو دی، لیکن پھر کسی وجہ سے اسکو سپہ سالار بنا دیا، چونکہ اس منصب پر اسندمر مامور تھا درخواست کی کہ حماۃ کی حکومت ابوالفدا کے بجاے میرے بھائی کو عطا کیجاے سلطان نے اسکو نامنظور کیا تو اس نے خود اپنے کو پیش کیا، اب سلطان کو انکار کی گنجائش نہ تھی اسلئے چار و ناچار ماننا ہی پڑا[۴]،

لیکن اسندمر کی ان چالاکیون سے ابوالفدا سخت بددل ہوگیا تھا اور دونون مین

[۱] صفحہ ۵۱، [۲] صفحہ ۵۶ [۳] صفحہ ۵۷، [۴] صفحہ ۵۸،

عداوت پیدا ہوگئی تھی اسلئے اسندمر کو حماۃ کا حکم ہوا، تو ابوالفدا کو مجبوراً شہر چھوڑدینکی ضرورت پیش آئی، چنانچہ ۲۴ ذوالحجہ کو دوشنبہ کے دن حماۃ سے نکل کھڑا ہوا اور ۲۸ کو جمعہ کے دن دمشق پہنچا، اور وہین سکونت اختیار کی، اہل شہر سے یہ بہانہ کیا تھا کہ مین اسندمر سے ملنے جاتا ہون،

دمشق پہنچکر سلطان کو تمام واقعات کی اطلاع دی، سلطان نے خلعت اور چند تحفے روانہ فرمائے اور دمشق مین بود و باش کی اجازت دی، اسکے ساتھ ابوالفدا اور اسکے تمام لشکر کا بار حماۃ پر رکھا، اور دمشق کے علاقہ سے بھی غلہ کی کچھ مقدار مقرر کردی[۱]،

اسندمر، حماۃ جانیکے لئے دمشق سے گذرا تو ابوالفدا نے اس سے ملاقات کی اس نے ابوالفدا کو خوش کرنیکے لئے طرح طرح کی ترکیبین نکالین، اور اس سے حماۃ چلنے کی خواہش کی لیکن جب ادھر سے انکار ہوا تو قرا سنقر سے کہا کہ انکو طوعاً یا کرہاً میرے ساتھ کردو اس نے کہا یہ ممکن نہین انکو خود سلطان نے یہان رہنے کی اجازت دی ہے[۲]،

۷۱۰ھ مین وہ وقت آیا جسکی ابوالفدا کو ایک مدت سے آرزو تھی، یعنی اسکو حماۃ کی حکومت عطا ہوئی،

باقی

[۱] ابوالفدا صفحہ ۵۹، [۲] صفحہ ۶۰،

آثارِ علمیہ و ادبیہ

علامۂ شبلی کا ایک غیر مطبوع مضمون

بسلسلۂ ابن رشد (الندوہ)

ابن رُشد کی تصنیفات

علم کی بدقسمتی اس سے بڑھکر کیا ہوگی کہ وہ شخص جو فلسفۂ ارسطو کا سب سے بڑا مفسر تھا، جس کے فلسفہ نے دو سو برس تک یورپ پر حکمرانی کی، جس نے بو علی سینا کی غلطیون کی اصلاح کی، جس نے ایک جدید علم کلام کی بنیاد ڈالی، جس نے اشاعرہ کی طلسم کو توڑ دیا، جسکی افادات کے لئے بیس ہزار صفحے درکار ہوے، آج اسکی تصنیفات اس طرح مفقود ہین کہ کہین دو چار ورق ہاتھ آجاتے ہین تو شائقین فن سمجھتے ہین کہ کیمیا ہات آگئی،

اسکی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ اسکی تصنیفات خود اسکے زمانہ مین برباد کی گئین، کچھ یہ کہ اسپین کی تصنیفات ممالک مشرقیہ مین کم پہیلین اور اسپین خود تباہ ہوگیا، اور سب سے زیادہ یہ کہ عیسائیون نے جب اسپین پر قبضہ کیا تو سب سے زیادہ انھون نے مسلمانون کی علمی کارنامون کی توجہ کی، اسپین مین جب انکوزیشن کا محکمہ قائم ہوا جسکا ایک مقصد یہ بھی تہا کہ جو کتابین عقاید عیسوی کے خلاف ہون وہ برباد کردیجائین، تو کارڈنیل کزمین نے جو اس محکمہ کا ایک ممبر تہا، غرناطہ (گرینڈا) مین ۸۰ ہزار عربی زبان کی کتابین جلادین، ابن رشد کی تصنیفات بھی اسی بدقسمت ذخیرہ مین شامل تہین،

تاہم ابن رشد کی تصنیفات ارباب فن مین اسقدر مقبول ہوچکی تہین کہ بالکل ناپید نہو سکین، ان تصنیفات کا بڑا ذخیرہ اسکوریال کی خانقاہ مین موجود ہے جو

مڈرڈ پایۂ تخت اسپین سے ۴۰ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، اٹلی اور فرانس کے کتبخانون مین ابن رشد کی بہت سی تصنیفات عبرانی خط مین لکھی ہوئی موجود ہین، یہ اصل عربی نسخون کا حال ہے، باقی ان کتابون کے عبرانی اور لاطینی ترجمے، انکی تفصیلی کیفیت آگے آتی ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ عبرانی اور لاطینی زبان مین ابن رشد کا کل کارنامہ محفوظ ہے، لیکن مسلمانون مین ان زبانون کے زباندان کہان ہین؟

ابن رشد کی جو تصنیفات ہماری نظر سے گذرین، حسب ذیل ہین،

فصل المقال } مناہج الادلۃ	یہ دونون رسالے یورپ کی کوششون سے ہاتھ آے، اور یورپ مین اول اول چھپے،
تہافتہ	مصر مین چھپ گیا ہے،
مابعد الطبیعۃ لارسطو،	قسطنطنیہ مین چھپا ہے،
شرح کتاب القیاس لارسطو،	ایک قلمی نسخہ آرہ مدرسہ احمدیہ مین موجود ہے،
تلخیص کتاب الشعر والخطابۃ لارسطو،	اس کتاب کے جستہ جستہ مقامات پروفیسر شیخو نے علم الادب مین شامل کئے ہین،

فلسفہ مین اس نے مستقل کتابین بہت کم لکہین، اسکی تمامتر تصنیفات ارسطو کی تصنیفات کی شرح یا خلاصہ ہین، چنانچہ تفصیل حسب ذیل ہے،

نام کتاب	مضمون
جوامع کتب ارسطو فی الطبعیات والالہیات	ارسطو نے طبعیات اور الہیات مین جسقدر کتابین لکھی ہتین سب کا مجموعہ ہے،
کتاب الضروری فی المنطق،	منطق مین ہے اور جوامع کا ضمیمہ ہے،

تلخیص کتب ارسطو، — ارسطو کی تمام کتابون کا خلاصہ ہے،

تلخیص کتاب الکون والفساد لارسطو

تلخیص مابعد الطبیعۃ لارسطو، — ارسطو نے امور عامہ پر جو کتاب لکھی تھی اسکا خلاصہ ہے

تلخیص کتاب الاخلاق لارسطو — ارسطو کی کتاب الاخلاق کا خلاصہ،

تلخیص کتاب البرہان لارسطو. — ارسطو نے فن برہان پر جو کتاب لکھی اسکا خلاصہ

شرح کتاب السماء والعالم لارسطو، — کائنات الجو کے متعلق ارسطو کی کتاب کی شرح ہے

تلخیص کتاب السماع الطبیعی لارسطو،

شرح کتاب النفس لارسطو، — ارسطو نے روح پر جو کتاب لکھی تھی اسکی شرح ہے

شرح کتاب القیاس لارسطو،

تلخیص الالہیات نیقولاوس، — نیقولاوس کے الٰہیات کا خلاصہ ہے،

یہ وہ کتابین ہین جو ارسطو وغیرہ کی تصانیف کی خلاصہ یا شرحین ہین، مستقل تصنیفات حسب ذیل ہین،

رسالہ مقالہ فی العقل، — اس بحث مین ہی کہ عقل ہیولانی اخیر درجہ تک پہنچکر روحانیات محض کا ادراک کرسکتی ہے یا نہین،

رسالہ، — یہ ثابت کیا ہی کہ عالم کی خلقت کو جسطرح اہل اسلام مانتے ہین، اور جو ارسطو نے بیان کیا ہے دونون قریب ہین،

رسالہ، — ارسطو اور ابو نصر کی منطق مین جو تصنیفات ہین انکا موازنہ کیا ہی اور دونون مین جو اختلاف ہی اسکو بتایا ہے،

رسالہ — عقل کو انسان سے کس قسم کا تعلق ہے؟

رسالہ — الٰہیات شفا کے چند مسائل کی تنقید کی ہے

رسالہ — زمانہ کی حقیقت بیان کی ہے،

رسالہ — مادہ اولی کی وجود پر ارسطو نے جو استدلال کیا تھا اسپر کسی نے اعتراض کیا تھا اسکا جواب دیا ہے،

رسالہ — بو علی سینا کے اس مسئلہ کو رد کیا ہی کہ موجودات کی تین قسمین ہین، واجب بالذات، ممکن لذاتہ و واجب بالغیر و ممکن مطلق،

رسالہ — ابو نصر فارابی اور ارسطو مین برہان کی ترتیب اور حدود کے متعلق جو اختلافات ہین انکو بیان کیا ہے،

فصل المقال، — شریعت اور فلسفہ مین جو تعلق ہی اسکو بیان کیا ہے

مناہج الادلۃ، — مہمات عقاید اسلام کو دلائل عقلیہ سے ثابت کیا ہے

تہافۃ التہافۃ — امام غزالی کی تہافۃ الفلاسفۃ کا رد ہے۔

—*—

باب التقریظ والانتقاد

تحفۂ سائنس

پروفیسر فیروزالدین مراد بی۔اے، ایم ایس سی، استاذ علوم طبیعیہ ایم، اے او کالج علیگڈھ اس لحاظ سے قابل تبریک وتہنیت ہین کہ ہمارے کالج کے گذشتہ روایات علمی کو انھون نے محفوظ رکھا ہے، انکے مضامین حکمیہ (سائنٹفک) اکثر اردو رسایل مین شایع ہوتے رہتے ہین، ہم نے انکو ہمیشہ شوق کے ساتھ پڑھا ہے، انکی عام خصوصیت یہ ہے کہ ان مین مشکل اور پیچیدہ مسائل نہایت عام فہم اور سلیس عبارت مین ادا ہوتے ہین، پروفیسر مراد نے تحفۂ سائنس (ایک حکیم پر لفظی گرفت نہ کرنی چاہیئے، تاہم تحفۂ حکمت نام بُرا تھا؟) کے نام سے اپنے انہین مضامین کا مجموعہ شایع کیا ہے،

یورپ مین قاعدہ ہے کہ جہان خواص اور اہل تحقیق کے لئے نہایت محققانہ اور جامد فلسفیانہ کتابین مدت کے غور وفکر اور کاوش کے بعد تصنیف کیجاتی ہین وہان اس غرض سے کہ مسائل حکمیہ اور سائنس کے معلومات تجربیہ سے جنکی آگاہی ہر فرد بشر کو ضروری ہے ملک کا عام طبقہ محروم نرہے، سلیس اور عام فہم کتابین بھی ان مباحث پر کثرت سے تالیف پاتی ہین، جنین کبھی سوال وجواب کے طریقہ سے کبھی قصہ وحکایت کے پیرایہ مین، کبھی مختصر اخباری مضامین کے ضمن مین، عام اہل ملک کو سائنس کی تعلیم دیجاتی ہے،

کتاب زیر نظر اصل مین اسی دوسری قسم مین داخل ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ہمارے ملک مین کتب حکمیہ کا رواج کسقدر کم ہے، اور ہمارے نوجوان طالبعلمون کو بھی اس علم کے

مسائل سے کسقدر ناواقفیت بلکہ بدمذاقی ہے، اسلئے پروفیسر مراد کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ "ان مضامین مین میرے مخاطب صرف طلباے سائنس ہین، جن سے میری مراد صرف اسکولون اور کالجون کے متعلمین ہی نہین بلکہ تمام وہ علمدوست اردوخوان اصحاب بھی ہین جو علمی مباحث سے دلچسپی رکھتے ہین"،

اس مجموعہ مین کل ۲۲ مضامین ہین، ان مین بعض مختصر اور بعض اپنے تسلسل بیان اور کثرت صفحات کی بنا پر ایک ایک مستقل تصنیف کا حکم رکھتے ہین، اور گویا سائنس کے طلسمات جو ہمارے گردوپیش ہین، ان مین سے ہر مضمون ایک ایک طلسم کا کلید فتح ہے اور اس لائق ہے کہ ہر علمدوست اردوخوان اسکو ضرور پڑھے، اخیر مین فرہنگ مصطلحات بھی ہے جو دقت نظر اور تلاش کا نتیجہ ہے،

ہندوستان کی علمی ترقی مین پیچھے رہنے کا اصلی سبب یہ ہے کہ یہان زبان کو پہلا اور علوم کو دوسرا درجہ دیا گیا ہے، طالب علم پہلے زبان (انگریزی) اور بعدازین اس اجنبی زبان کے ذریعہ سے علوم سیکھتا ہے، اسکا علاج یہی ہے کہ خود ہماری زبان مین حکمت وفلسفہ کی کتابین منتقل ہون، پروفیسر مراد کی کوششین اس راہ مین خاص طور سے قابل وقعت ہین، لوگون نے ایک ایک علم کو لیکر بیان کرنا شروع کیا ہے، بوڑھے ہندوستان کو اس تمام سلسلۂ علوم کی تصنیف تک دعاے عمر خضری مین مشغول رہنا چاہئے لیکن "تحفۂ سائنس" کا مصنف ایک ہی دفعہ سب کچھ تھوڑا تھوڑا اسکو سکھا دینا چاہتا ہے اور یہ مناسب ہے،

طبع اعلے، کاغذ متوسط، ضخامت ۳۰۰، قیمت عہ/ مصنف سے علیگڈھ کالج کے پتہ سے ملیگی،

ادبیات

ترانۂ اقبال

(ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم۔اے)

نہ سلیقہ مجھ مین کلیم کا نہ قرینہ تجھمین خلیل کا
مین ہلاکِ جادوی سامری تو قتیلِ شیوۂ آزری

مین نوای سوختہ در گلو تو پریدہ رنگ رمیدہ بو
مین حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ ماتمِ دلبری

مرا عیش غم مرا شہد سم مری بود ہمنفسِ عدم
ترا دل حرم گروِ عجم ترا دین خریدۂ کافری

تری راکھ مین ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نکر
کہ جہان مین نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اے چراغِ حرم بتا
کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشتِ سمندری

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے مین بیان کرون تو کہے صنم بھی "ہری ہری"

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہین منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھین دماغِ سکندری

عرضِ نیاز

(مولانا نیاز فتحپوری ندوی)

ز دلم نہ گفتنے بہ تو شنیدنیست
مگر اینقدر بدانم کہ غمت کشیدنیست

نہ مژہ تراوشے آرد نہ دلم چکیدنیست
گرہے مگر ز تارِ نفسم بریدنیست

دلِ من شدہ ہلاک گلہ خودش کہ بیند
عرقِ جبین و چشمِ خجلش شنیدنیست

زرہِ کرم سپردی بہ رمم چرا نہ گفتی
کہ قرار دست رفت بدلے تپیدنیست

دلِ من ز التفاتِ نگہش خراب گشتہ
مگر او ہنوز محوِ غمِ نارسیدنیست

ز حدیثِ حسن و الفت خبرے جز این ندارم
نگہت خلیدنیست جگرم تپیدنیست

بجز ارم ارچہ آئی بگذر شتاب بگذر
کہ مرا ز شورشِ اکنون سرِ آرمیدنیست

چکنم بگو بعہدِ نگہِ فسون طرازت
نہ مرا سرِ قرارے نہ رہِ رمیدنیست

سخنے بگو ز حسنِ نگہش نیاز اکنون
کہ دلِ زبون سزائے غمِ نارسیدنیست

فریادِ اکبر

ہان تو ہی ہوس کا دستہ ہے پالسی کا
لیکن ادہر تصور جاتا نہین کسی کا

ہے کوفت لیکن اسپر مسرور ہو رہی ہین
ہر سو اُچھل رہی ہین اور چور ہو رہی ہین

اس قبلۂ جماعت کا انتشار دیکھو
اس باغ مین خزان کی اکبر بہار دیکھو

لکھیگا کلکِ حسرت مسلم کی ہسٹری مین
اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی مین

قومون کے عروج و زوال کا فلسفہ

مولوی الف دین صاحب نفیس وکیل کیمبل پور

نتیجہ ایک ہی ہے سارے انسانی فسانون کا
رہی ہے داستانون مین یہی اک داستان باقی

کہ آغازِ جلالِ قوم ہے اخلاص و آزادی
ہین ایثار و قربانی سے قومین کامران باقی

بڑہی معدومیِ ایثار سے جب دولتِ شخصی
رہین پھر چند عیاشانہ بزم آرائیان باقی

مٹی پھر اپنی نوبت مین بفورِ عیش و عشرت سے
نہ کلدانی، نہ رومی ہین، نہ شاہانِ کیان باقی

یہی گردش ترقی اور تنزل کی ہمیشہ ہے
اعادہ ہے اسی گردش کا تاریخِ جہان باقی

پر اے "اسلام" معنی ہین ترے "ایثار و قربانی"
رہیگی تیرے حصہ مین حیاتِ جاودان باقی

مطبوعات جدیدہ

تاریخ تمدن، مشہور انگریز مورخ سر ہنری بکل نے تمدن یورپ کی جو تاریخ لکھی ہے انجمن ترقی اردو کی طرف سے اسکا ترجمہ شایع ہوا ہے، پہلا حصہ مدت ہوئی کہ شایع ہو چکا تھا، اب اسکا دوسرا حصہ شایع ہوا، اس کتاب کے مترجم کاکوری کے ممتاز خاندان کے ایک ممبر جناب منشی احمد علی صاحب مرحوم بی۔ اے ایل ایل بی ہین، مرحوم نے دوسرے حصہ کے چند ابواب ناتمام چھوڑے تھے، جنکو مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے نے مکمل کیا، دوسرا حصہ ترجمہ اور اداے مطلب مین پہلے سے زیادہ صاف اور روان ہے، یہ حصہ پانچ ابواب پر منقسم ہے، جنمین نوامیس ذہنی کی تحقیق، نوامیس ذہنی اور اخلاقی کے موازنہ، علوم وفنون اور حکومت کی تاثیرات، فن تاریخ کے آغاز، اور قرون متوسطہ مین فن تاریخ کی حالت، اور انگلستان کی اجمالی علمی تاریخ سے بحثین ہین، لکھائی چھپائی، تقطیع عمدہ اور اور خوشنما، ضخامت ۲۳۰، قیمت عہ، دفتر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، دکن،

تاریخ یونان قدیم، یہ کتاب بھی انجمن ترقی اردو کی طرف سے شایع ہوئی ہے اور جناب سید ہاشمی فرید آبادی اسکے مولف ہین، یونان کے نام کو مسلمانون مین جو اہمیت حاصل ہے اور یورپ اپنی تہذیب جدید کو جس طرح یونان پر مبنی قرار دیتا ہے، اسکا مقتضی یہ ہے کہ اس قوم کی تاریخ سے ایک حد تک واقفیت حاصل کیجائے، ہمین یاد آتا ہے کہ سائنٹفک سوسائٹی علیگڈھ کی طرف سے بھی یونان کی ایک مستند تاریخ ترجمہ ہوکر شایع ہوئی تھی، سید ہاشمی صاحب نے اختصار کے ساتھ اس عظیم الشان قوم کی تاریخ مرتب کی ہے، اور ہم مسرور ہین کہ

انکا قلم اب پہلے سے بہت زیادہ محتاط نظر آتا ہے، پوری کتاب نو باب پر تقسیم کیگئی ہے اور یونان کی سیاسی دور کی ان مین مختصر کیفیت بیان کی ہے، یونان کی تاریخ کو ایران سے بہت کچھ تعلق ہے، لیکن چونکہ ایران کی تاریخ کوئی مستند تاریخ نہین، اسلیے اس عہد کی ایرانی تاریخ کے لئے یونانیون ہی کے بیانات پر اعتماد کرنا پڑتا ہے، لیکن اس سلسلہ مین سب سے بڑا اشکال یہ پیش آتا ہے کہ یونانی تلفظ مین شاہان ایران کے نام کچھ سے کچھ ہو گئے ہین، ان نامون کی تحقیق وتطبیق کی یورپین مستشرقین اور پارسی وایرانی مصنفین نے بہت کچھ کوششین کی ہین، مولف نے بھی ضمیمہ مین اسی قسم کی کوشش کی ہے اور تحقیق کی بنیاد آقا مرزا جہانگیر خان شیرازی کی آئینہ سکندری پر قائم کی ہے لیکن ہمکو گلہ ہے کہ اس آئینہ مین بھی شاہان ایران کی دھندلی صورتین نظر آتی ہین، ہاشمی صاحب بھی "فیلقوس" کو جو فلپ کا معرب ہے "فیلقوس" پڑھتے ہین، لکھائی، چھپائی، عمدہ، تقطیع خوشنما، ضخامت ۲۵۲، قیمت عہ، پتہ: انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد دکن،

معارف بادشاہ، مدراس کے مشہور بزرگ، حضرت الحاج خطیب قادر بادشاہ صاحب بادشاہ مرحوم کی جنھون نے سنہ ۱۳۳۳ھ مین وفات پائی ہے، یہ مختصر سوانح عمری ہے، جسکو مولوی شاہ ابو العرفان محمد عبد الرحمن صاحب فاروقی صدر مدرس مدرسہ سرکاری میسور نے ترتیب دیا ہے، مرحوم کے حالات ذاتی واخلاقی وعلمی لکھے ہین، انکی شاعری کے نمونے پیش کئے ہین، ضخامت ۸۰، قیمت ۱۰، کتاب، مرحوم کے فرزند خطیب محمد عبد الرشید نمبر ۸، گڈنگ اسٹریٹ مدراس سے ملیگی،

المفرد المرکب، فارسی زبان کے ان مرکب الفاظ کا لغت جو بظاہر مفرد یا جاملہ معلوم ہوتے ہین، مولوی عبد اللطیف صاحب منشی فاضل ومولوی عالم حیدر آبادی نے ترتیب دیا ہے

لغت کی زبان اُردو ہے، اور اسکول وکالج کے فارسی خوان طلبہ کے لئے لنہایت مفید ہے مولف نے تحقیقات لغظی (فیلالوجی) مین فارسی لغت نویسون کی جو قدم بقدم تقلید کی ہے وہ ایک حد تک قابل مواخذہ ہے، فارسی لغت نویس علم فلسفہ لغت سے قطعاً ناآشنا ہین چنانچہ اسی کتاب مین درد، ذباب، سپاس، فیلقوس (اصل فیلغوس ہے) کاغذ، میدان وغیرہ الفاظ کی فیلالوجی قابل تصحیح ہے، بہرحال کام عمدہ اور مفید انجام دیا گیا ہی، ضخامت ۱۰۰ صفحہ، قیمت قسم اول ۱۲ ار قسم دوم ۸ ر پتہ: بنام مصنف، اندرون چادرگھاٹ، حیدرآباد،

استفسارہ، وانمباڑی (مدراس) کے ایک بزرگ زین العابدین صاحب نامی پر فرقہ اہل القرآن مین سے ہونیکا الزام قائم کیا گیا ہے، موصوف نے اس الزام کی تردید اور اپنے عقاید کی تشریح مین یہ رسالہ لکھا ہے، خیر یہ تو کوئی ایسی بات نہ تھی لیکن یہ نہین معلوم کہ جناب مولانا حبیب الرحمن خان کا اور مجھ گنہگار کا نام فرقۂ اہل القرآن مین کیون شمار ہوا ہے ہملوگ اہل قرآن بے شبہہ ہین، لیکن فرقۂ اہل القرآن مین سے نہین، قیمت ۶ ر پتہ: زین العابدین صاحب نمبر ۹۲ گذنگ، گوڈن اسٹریٹ مدراس،

کانفرنس گزٹ، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ کی طرف سے ایک ماہوار علمی و تعلیمی رسالہ شایع ہونا شروع ہوا، رسالہ تین حصون مین منقسم ہے، حصہ اول مین کانفرنس کے حالات اور اسکی شاخون کی روداد ین شایع ہونگی، دوسرے حصہ مین تعلیمی مضامین ہونگے اور تیسرے حصہ مین مختلف علمی مضامین ہونگے، پیش نظر نمبر اسی اصول پر مرتب ہوا ہے تیسرے حصہ مین ہیکل کی معمائے کائنات کا بھی ترجمہ شروع کیا گیا ہے ضخامت ۸۰ صفحہ، چھپائی اعلے، کاغذ متوسط، قیمت سالانہ سے (۳) پتہ: دفتر کانفرنس سلطان جہان منزل علیگڈھ

—۰—

دفتری اطلاع

(۱) رسالہ مہینہ مہینہ قطعاً شایع ہوجاتا ہے اور ہر خریدار کے پاس بھیجدیا جاتا ہے، اگر نہ پہنچے تو دوسرے مہینہ کی ۱۰ تاریخ تک اطلاع دیجئے، بعض اصحاب دو دو تین تین مہینہ کے بعد خبر لیتے ہین اور اپنی غفلت کا خمیازہ چاہتے ہین کہ دفتر اٹھائے،

(۲) سامان طبع کی گرانی کے زمانہ مین تخفیف قیمت کے لئے مراسلت بیسود ہے،

(۳) رسالہ مین جگہ نہونیکے سبب سے اجرتی اشتہارات کے قبول کرنے سے مجبوری ہے،

(منیجر)